شبابِ لکھنؤ

لکھنؤ کی سیاسی، علمی، ادبی اور تمدنی تاریخ

مرتبہ

محمد باقر شمس

شبابِ لکھنؤ

سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر

شاہ اودھ کے دورِ حکومت میں

اُن کی عیش پرستی، علم دوستی

رعایا پروری اور مذہبی انہماک

کی دلچسپ داستان

محمد باقر شمس

مصنف :- محمد باقر شمس

خوشنویس :- کفایت الرحمن خاں

تابع :- ______

ناشر :- محمد فاخر

قیمت :- ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ

دار التصنیف سی ۳۰
رضویہ سوسائٹی
کراچی ۱۸

شاہ زمان نصیر الدین حیدر

تمہید

سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر شاہ کا دورِ حکومت لکھنؤ کے شباب کا دور کہا جاتا ہے اُس دور میں اُن کی عیش پرستی کے ساتھ علم دوستی رعایا پروری بے تعصبی اور مذہبی امور میں انہماک سے لکھنؤ میں علمی ادبی تمدنی اور مذہبی ترقی جس اعلیٰ درجہ پر ہوئی وہ عبرت خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ اِس سے یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ جو عیش پرستی میں مبتلا رہتا تھا وہ علم پروری رعایا پروری اور مذہب سے غافل نہیں رہا اس نے جو کچھ کیا دنیا کے کسی بادشاہ سے نہیں ہو سکا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ناظرین اِسکے اختصار سے بردل ہوں گے۔ اگر ضرورت ہوئی تو اس سے زیادہ تفصیل سے اس داستان کو پیش کردوں گا۔ فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

فقط:۔ ذرۂ ناچیز
محمد باقر شمس

نصیر الدین حیدر سلیمان جاہ

نصیر الدین حیدر غازی الدین حیدر کے اکلوتے بیٹے ۱۸۲۷ء ۱۲۴۳ھ میں باپ کے تخت و تاج کے مالک ہوئے وجیہ و شکیل آدمی رعب شاہی چہرہ سے نمایاں اعلیٰ درجے کے شہسوار بہت اچھے پیراک اور خوشگو شاعر تھے، بادشاہ تخلص تھا۔

وہ طبعاً ایرانی تھے ان میں رعب و ادب اور نفاست بہت تھی خوشبو سے بڑی رغبت تھی عطر اور پھولوں کا استعمال عجب عجب طرح سے کیا۔ عورتوں سے بہت دلچسپی تھی۔ علم و فن کے قدردان رقص و سرود کے دلدادہ اور مذہب کے شیدا تھے جو کچھ انھوں نے کیا وہ دنیا میں کسی بادشاہ سے نہ ہو سکا۔ تاریخ میں ان کا زمانہ لکھنؤ کا عہد شباب کہا جاتا ہے۔

حکیم نجم الغنی تاریخ اودھ میں لکھتے ہیں کہ:

"ان کی لونڈیوں نے جو لباس پہن ڈالا وہ مغل اعظم کی ملکاؤں شہزادیوں کو نصیب نہیں ہوا۔ کہاریوں اور مہریوں کا ایک ایک ڈوپٹہ چار چار ہزار کی لاگت کا ہوتا تھا۔"

ہر چیز اسی معیار کی تھی، لکھنؤ کو انھوں نے پرستان بنا دیا۔

چار سو کہاریاں بیس پچیس سال کی نہایت حسین و جمیل فراہم کیں جو پرتکلف لباس و زیورات سے آراستہ غازہ سے گلنار اور عطر سے معطر رہتیں ڈلوی اور دھنیا دو مہریاں ان کی افسر تھیں، افضل النسا ان کا خطاب تھا جب بادشاہ محل سرا میں جو میلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تو ہوادار میں ان کو اٹھا کے لے جاتیں معلوم ہوتا کہ تخت سلیمان کو پریاں لئے جا رہی ہیں۔ ایک

زنانہ فوج محل میں پہرے کے لئے بھرتی کی۔ ایک جماعت خواصوں کی تھی جن کے حسن و جمال میں زیور و لباس نے چار چاند لگا دیئے تھے۔

یہ اُن سیکڑوں بلکہ ہزاروں پری جمالی رقاصاؤں اور زہرہ جبیں مغنیوں کے علاوہ تھیں جو ہر وقت رقص و سرود کے لئے معین تھیں۔ مرزا رجب علی بیگ سرورؔ سے ان کے چشم دید حالات سنئے:

"ستائیسویں شہر ربیع الاول یوم شنبہ ۱۲۴۳ھ اور بیسویں اکتوبر ۱۸۲۷ء تھی کہ مرزا نصیر الدین حیدر نے بعد پدر یعنی مرزا غازی الدین حیدر جلوس میمنت مانوس سریر سلطنت پر کیا۔ اس سن و سال میں بادشاہی ہاتھ آئی۔ سلطنت کی فرمانروائی زمانے کہ شاہان گزشتہ کو جس کی تمنا رہی میسر نہ آئی۔ جواں بخت و جواں دولت جواں سال پچیس برس کا سن، عین شباب جوانی کی آب و تاب مزے کے دن تھے جو تاج و تخت بصد بخت ہاتھ آیا۔ زیست کی کیفیت، حکومت کا لطف خوب اٹھایا۔

جلسہ میں وہ ہر وقت پیش نظر رہا۔ جو محمد شاہ کو خواب میں میسر نہ ہوا۔ ہزار ہا پری پیکر، حور وش، سیم تن، گلبدن، نازک اندام، خوش خرام، طاؤس رفتار، کبک اُن پر نثار، زہرہ جبیں، لعبت چین عنبریں مو، ناہید گلو، بالباس پر زر، ہو کمر آہو چشم، مریخ خشم صبح و شام میں دو دو زمرہ خدمت میں دست بستہ حاضر رہیں۔ گلاب کیوڑا ایک چیز ہے۔ عطر کی نہریں بہیں، مکان اور باغ ہر ایک بہشت کا نمونہ تیاری میں گلشن شداد سے دونا اشرفی اور روپے کے گنج بے رنج

خالی کر دیئے محتاجوں کے گھر بھر دیئے۔ پھولوں کا یہ صرف تھا کہ دیکھا نہ سنا، ہزار ہا باغ سرکاری عجیب روش عزیب تیاری کے تھے، اُس پر کئی سو روپے کے پھول روز کے بازار سے آتے تھے۔ صبح کو فراشیاں باسی ہار پھول جو پھینکتی تھیں۔ چاندی کے ڈھیر ان کے ہاتھ لگ جاتے تھے۔

جلسے والیاں نادر زمانہ شہرۂ آفاق گائنیں پری چہرہ موسیقی میں یکتا، دلبری میں طاق۔ ان کے علاوہ ہزاروں مہ سیما، رشک مہر، کم سن اُن کے پیچھے، لاابالیاں، اُمنگ کے دن، کہاریاں پریوں کی صورت کی ہمیشہ ہوا وار مثل تخت حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا پر رہا، نانوا اندازنے بر سر زمین اُن کا پاؤں نہ لگنے دیا۔ اکثر سہ پہر کو چمن بندی گل اور فواروں کی ہوتی تھی۔ دیکھنے والوں کا دل باغ باغ ہوتا تھا عندلیب خوش الحان جان کھوتی تھی اس تختہ گل فام پر لالہ داغ دکھاتا تھا۔ یاسمن کا منہ سفید ہو جاتا تھا۔ سنبل کو ان کی زلف مسلسل دیکھ کر پریشان دیکھا۔ سرو کو مقابلۂ قامت میں پا بہ گل پایا، شمشاد کو قد رعنا کے روبرو پشیمان دیکھا، خجل پایا۔ مستی کی دھڑی دیکھنے سے رخ سوسن کبود ہوا۔ سو زبان سے مدح و ثنا کو موجود ہوا۔ نرگس اُن نشیلی آنکھوں پر ٹکٹکی باندھے رہتی تھی، دیدۂ آہوئے ختن سے اشکوں کی ندی بہتی تھی، زنخداں دیکھ کر سیب کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ بہی کا مزہ ہوتا دھبا لگ جاتا تھا۔

سو طائفہ شہر کا چیدہ اور سو دیہات کا پسندیدہ نوکھت پہر دن
رہے یہ سب حاضر ہوتے۔ پچیس پچیس طائفے نے ایک ایک رنگ
کے جوڑے عنایت سرکار، باغ و بہار، پہنے اور مسی میل کے
گہنے معلوم ہوتا تھا کہ چمن رواں ہے بلکہ پھولوں میں یہ نزاکت و لطافت
روش رفتار، تکلف گفتار، غمزہ و ناز کا انداز کہاں ہے اور بھان متی
چرنے والیاں، ڈومنیاں، نٹنیاں، حسین جو سج دھج کی نرالیاں
قوال، بین کار، ربابیے، سرودیے یہاں تک کہ ریچھ والے
قلندر، بجا اور بندر بھی ہوتا۔

کمرے میں سامان عیش تیار، انگریزی میز ایک سے ایک
تحفہ، نادر روزگار سبز و سرخ کاشانی مخمل سے منڈھی، گز بھر کی
جھالر نقرئی طلائی بادلے کی لٹکتی جہاں تک سیاحِ نگاہ جائے
گلدستوں کا سبحان اللہ چمن نظر آئے۔ ان کے گرد کنٹر بادۂ ارغوانی
و گلنار و زمرد فام کے چنے۔ قریب گزک کا سامان، جہاں کے فواکہ
اور طشتریوں میں پستے بادام بھنے، متصل اس کے سب نعمت
غیر مترقب پلاؤ ہر طرح کے، دوپیازے متعدد، طرحدار پکوان
حساب سے باہر، بورانی، بھرتے، اچار ہر گلدستے کے تلے کہ
ہاتھ بڑھانے کی نوبت نہ آئے۔ جس چیز کی خواہش ہو وہیں پائے
کمرہ دلہن کی صورت سجا، جھاڑ، جھابے، کنول، فانوس، ہوش ربا
پردے وہ جن میں کھلا ہوا ہیروں بنت، گوکھرو، ٹھپا، ٹکا، فرش
سے تا سقف و جدار آئینہ بندی۔ سکندر اگر دیکھتا حیرت آتی

اپنی سلطنت حضرت سلیمان کو بھول جاتی، جدھر آنکھ اُٹھائے
قدرت خدا کا مشاہدہ ہو جائے۔

ادھر خود بدولت رونق افروز ہوئے اُدھر پریوں کا گانا ناچ ہونے
لگا۔ کمرے کے باہر انگریزی باجے بجنے لگے، قوال، بین کار، اپنے
ساز ملا کے بجنے لگے۔ جو جس کام کا حاضر تھا اپنے شغل میں مشغول ہوا۔
خود بدولت اکل و شرب کی طرف متوجہ ہوئے۔ کسی سے آنکھ لڑاتے
تھے۔ آئینوں میں ایک آئین سے سب کے لطف نظر آتے تھے۔ اب
جس کا بخت مددگار اور طالع یار ہوا اس کو قریب بلایا کچھ پلایا کھلایا
اور جو اختلاط منظور رہا، تو اس کا دلدر دور ہوا۔ ایک دم میں
نہال کیا، دولت دنیا سے مالا مال کیا۔ ایک ایک دن میں ہزار ہزار
جوڑے مفرق اور پانچ پانچ سے جوڑی کڑے جواہر نگار عنایت
ہوتے، رنڈیوں کے نرم نرم ہاتھوں میں پڑے۔

آدھی رات جب گزری یہ صحبت برخاست ہوئی۔ وہ جلسے
والیاں اور محل کی گائنیں، پری وش، ذی ہوش، مرقع پوش آئیں،
دھومیں مچائیں کوئی تلوے سہلانے لگی کوئی ہوا خواہی سے پنکھا
ہلانے لگی۔ کسی نے کہانی شروع کی، کوئی ٹپا گن گناتی۔ کسی نے برجستہ
شعر پڑھا، کسی کا دبے پاؤں چپی کے واسطے ہاتھ بڑھا۔ اب ان
میں جس کا نصیب جاگا، وہ اپنا حصہ لے بھاگا۔

دم سحر شاہِ خجستہ سیر بیدار ہوا نیا مکان، تازہ سامان، پھر
سب تیار ہوا۔ غرضکہ ہر شب شب برات جو دن تھا، محرم کے

سوا، عید تھی، ہردم جلسا اور پری رویوں کی دید تھی۔ قابلِ دید
وہ صحبت تھی خوش نصیب ان کے جن کے مدِ نظر رہی۔

ہمت کے رو برو حاتم بخیل تھا، گو ملک قلیل تھا، چشمۂ فیض
رات دن جاری تھا، لینے والا عاری تھا۔ جس کی قسمت میں گہنا
تھا، الماس و یاقوت و زمرد کا زیور پھولوں کا گہنا تھا۔ قدسیہ محل
پر طبیعت جو آئی، خاک سے اٹھا آسمان پر بارگاہ پہنچائی۔ جاڑے
کے موسم میں لاکھ سوا لاکھ روپے کی دو رضائیاں بنتی تھیں
گرمیوں میں ان کی ہوا نظر نہ آتی تھی کہ کدھر اڑ گئیں۔ ملکۂ زمانی، تاج محل
مخدرۂ علیا، ان سب کا خرچ ایسا ہی رہا اور تا زیست رہے گا
احتیاج قریب نہ آئے گی۔ ہفتاد پشت ان کی جہان کے مزے
اڑائے گی۔ ڈلوی و دھنیا ادنیٰ کہاریاں دیکھیں۔ ان کی
دھوم دھڑکے کی سواریاں دیکھیں۔ دس پانچ لاکھ روپیہ خاطر
میں نہ آیا۔ آشناؤں کو کھلایا۔ ایک روز ملکۂ زمانی کے محل
میں حضرت تشریف فرما ہوئے۔ ایک رقعہ ہاتھ میں تھا۔ انھوں
نے پوچھا مرزا ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ فرمایا پچاسی لاکھ روپیہ فیض آباد
سے آیا ہے۔ انھوں نے کہا مجھے دو۔ یہ سنتے ہی رقعہ ہاتھ سے
پھینک دیا گویا بڑا بوجھ تھا۔ قدسیہ محل نے کہا اشرفیوں کا
ڈھیر نہیں دیکھا۔ فوراً محل میں انبار ہو گیا۔ ارشاد کیا، لطف
اگر دیکھنا چاہو تو لٹا دو۔

کسی نے راگ مالا کتاب نذر کر دی۔ فرمایا اس کا جلسہ ہو۔ جو

راگنی جس صورت و پوشاک سے دیکھی وہی صحبت ٹھہری۔ ایک مہینے
کے جلسے میں پانسو عورت دلہن کا لباس پہنے، ہاتھوں پاؤں
میں مہندی لگی، چوڑی سہانی، سر سے پانو تک جواہر کا زیور۔ ایک
راگنی کی صحبت تیس دن ہوتی تھی، اندر کی سبھا کی آبرو کھوتی
تھی۔ انصاف شرط ہے کیسا وہ جلسہ ہو گا اور کیا صرف ہوا ہو گا۔

مکا خیاط کی قطع سب سے نرالی رہی، ہر دم عیش و عشرت
لاابالی رہی۔ ہزار روپے روز گرمی کی پوشاک کے مقرر تھے۔ صبح
نواب کی خدمت میں آیا۔ صورت دیکھ کے توڑا منگایا۔ اور
جاڑے کی پوشاک کے سوا لاکھ ملا کئے۔ اس نے کئی لاکھ روپے
کی عمارت اپنی ویران بستی میں بنائی۔ اور لکھنؤ میں گنج، سرا، مسجد
تعمیر کی۔ خوش دماغی میں اگر تاناشاہ پر طعنہ زن ہوں تو بجا ہے کہ
ممدوح میرا نازک دماغ ایسا ہے۔ ایک دن تلنے کی ہانڈی
میں دھوکے سے بیلے کا تیل پڑ گیا گو وہ بھی موتیا کے عطر سے
کم نہ تھا، مگر طبیعت رسا کھٹکی، دماغ پریشان ہوا۔ خوشبو ساز ہر
ایک حیران ہوا کہ گردشِ تقدیر سے کیا سامان ہوا۔ بعد تحقیقات
ثابت ہوا۔ واقعی میل تھا، بیلے کا تیل تھا۔ تلنہ ساز نے اس
قوتِ شامہ پر ہوش، کھو خطا کا اقرار کیا۔ مزاج میں یہ راست پسندی
تھی کہ قصور معاف ہوا دل صاف ہوا۔

مغلانیاں ہزار پانچ سو روپے ماہواری کی نوکر تھیں۔ گوٹے
پٹھے، کرن کی کترن اتنی پاتی تھیں کہ سونے چاندی کی اینٹیں گڑھواتی

تھیں۔ خاصے والیوں نے مشک و عنبر و زعفران، لونگ و الایچی کے خاصے خاصے محل اٹھائے۔ چکنی ڈلیاں دورخی جن پر دل پھسلے، ان کے انبار لگائے چو گھڑے کی وہ الایچی کہ چھوٹی بڑی کی تمیز نہ آئے، اگر شب کو پائے۔ غرض ہر شے کا مصرف بے حساب رہا۔ کارندوں نے جو کھا وہ لے لیا۔ گلوری، گز بھر جس کا عرض و طول، جہاں سے تراش کر کھائے۔ مصالحہ برابر پائے سرخروئی حصول شہر کے تنبولی اس الیسٹھ میں سیٹھ ہو گئے۔ بھوبے اور گھر میں پان نہ رہے۔ پان بنا کر جو کھلاتی تھی۔ گلوری باز وہ پر ناز کہلاتی تھی، ہر دم سرخروئی سے کیا کیا انعام پاتی تھی۔ ایک دن پانچ توڑے اشرفی کے اور کئی ہزار روپیہ کی چادر جو اس وقت زیب و دوش انور تھی۔ عنایت کی۔ اس کے کچھ خاطر میں نہ آئی بلکہ توڑے کم تھے۔ منہ بگاڑ کر بنایا، تیوری چڑھائی۔ اب گھر لٹنے کے بعد مزے اڑاتی ہے۔ دل کی ہوس نکالتی ہے۔ چاندنی راتوں میں سونا اچھالتی ہے۔

گھوڑے ایسے کہ ادہم صبا نے ہمسری میں منہ کی کھائی۔ گرد تک خاک نہ پائی۔ یہ تو نہ نام ایک خوشخرام تھا، انسان کی خصلت تھی۔ گھوڑے کا نام تھا، وہم بشر خیال رفتار سے عاجز، پیک گمان تصور میں لنگ سطح غبرا اس کی گردش کو تنگ۔ رخش رستم، شبدیز خسرو، گرد تھا۔ ایسا سریع السیر جہاں گرد تھا۔ ہاتھی ایسے کہ دکن کی جان، پیل گردوں سے زیادہ رفعت و شان اگر

سر اٹھائیں، ماتھے آسمان سے رگڑ جائیں۔ اس پر سبک رو، بھول لانے کو جب رو پر آئیں، حشرات الارض زیر پا آزار نہ پائیں۔ ہزار دن جامہ دار گراں بہا زربفت و تمامی مطلا، گردنی و جھول کے واسطے قطع ہوئی کہ کشمیر سرد ہو گئی۔ ہوئے اور زین سونے چاندی کے اتنے بنے کہ زمین سفید اور زرد ہو گئی۔ بجز طلائے مہر و نقرۂ ماہ چاندی سونا نظر نہ آتا تھا۔ اسے بھی گردش گردان خوف سے دن رات چھپاتا تھا۔ جس طرف خیال آیا اسے انتہائے کمال کو پہنچایا۔

اس عیش پسندی پر عشرۂ محرم میں یہ حال تھا کہ راہ چلتوں کو مسکرانا محال تھا۔ روز و شب غم اہلبیتؑ میں رونا اربعین تک زمین پر سونا، لباس آبی یا سیاہ، ہر دم لب پر نالہ و آہ، ہزارہا روپیہ اور جان کی نعمت، مرثیہ خوان اور سید محتاج آب و نان پاتے تھے۔ تحصیل حسنات و ثواب فرماتے تھے۔ دوازدہ امام کی درگاہ، صاحب الامر کا غار، بنوایا، لاکھوں روپے کا اسباب چڑھایا۔

بیٹھے بیٹھے طبیعت جو لہرائی، گنگا سے نہر منگائی، منظور ہوا کہ چشمہ خوشگوار جاری ہو، جو بحر ہستی میں یادگار رہے، سرسبز ہر ایک کاشت کار ہو، مزدور غریب غربا نہال ہو گئے۔ کارندے صاحب مال ہو گئے۔

گرمی کی فصل میں گلدستوں کا چمن بنتا تھا، پھولوں کا شامیانہ تنتا تھا۔ سہری رشک گلزار، باغ و بہار بچھتی تھی۔ گرد حوض

چار، جواہر نگار، دو مرصع کار دو چینی کے پرنقش و نگار، عطر سے لبریز، بوئے فتنہ خیز فوارے کی جا درخت بنے تھے۔ پھول اور کلی سے فوارے چھٹتے تھے۔ اور چینی کے حوضوں میں درختوں پر جانور تھے، وہ کریال کرتے، آواز دیتے تھے، ہر شام یہ سامان تیار ہوتا، صبح کو وہ بدلا جاتا، تازہ ماجرا وجود میں آتا۔"

رجب علی بیگ سرور فسانۂ عبرت کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"ہزار بارہ سے جلسے والی، حور وش، برق کردار، کبک رفتار، نغز گفتار، از پا تا فرق دریائے جواہر میں غرق دست بستہ روبرو کھڑی رہی۔ جہاں کی نعمت سامنے پڑی رہی...... ہر وقت راجہ اندر کا جلسہ رہا، نہروں میں عطر بہا، مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلک گرداں نے صدقے ہو کر چکر کھائے۔ اندر اس گلشن ارم کا ایسا باغ اور اس طرح کی کوٹھی چشم و گوش عالم نے دیکھی نہ سنی...... اندر اس میں عطر کا حوض چھلکتا رہا، تمام شہر مہکتا رہا۔"

مرقع خسروی کے مصنف محمد عظمت علی ناکی نصیر الدین حیدر کے عہد میں لکھنؤ میں موجود تھے انھوں نے اس بادشاہ کی نفیس مزاجی اور عیش پسندی کے بیان میں بہت کچھ وہی لکھا ہے جو آپ سرور کی زبان سے ابھی سن چکے ہیں۔ ان بیان کے دو مختصر ٹکڑے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"عالی دماغی کی وجہ سے گلاب و کیوڑے سے خس کی ٹٹیاں چھڑکی جاتیں[1]"

"سترہ سو جلسے والیاں نادرۂ زمانہ...... ملازم ہوئیاں اور بارہ سو گائیں.....

فن موسیقی میں یکتا..... باریاں بھریاں[1]"

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے:

"گیارہ سو اسامیاں صرف جلسے والیاں اور ڈولی والیاں عیش محل کی تھیں[1]"

اور نواب قدسیہ محل کی سخاوت کے سلسلے میں کہتا ہے۔

"ایک ایک دن میں لاکھ لاکھ روپے جلسے والیوں کو اس نے دیدیئے"

ان کے مصاحبوں میں پانچ انگریز بھی تھے۔ ایک انگریزی پڑھاتا تھا۔ دوسرا باڈی گارڈ کا کپتان تھا۔ تیسرا خاصہ تراش تھا وہ سیاحت کے لئے آئے تھے۔ مصاحبت میں داخل کر لئے گئے تھے۔ یہ دونوں کچھ دنوں کے بعد نکال دیئے گئے۔ ان میں سے ایک نے انگلینڈ جا کے اپنی چشم دید واقعات میں ایک کتاب "لائف آف این ایسٹرن کنگ" شائع کی۔ اس کے اردو ترجمہ "شاب اودھ" سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

"بیس برس ادھر میں لکھنؤ گیا تھا اس وقت نصیر الدین حیدر فرمانروا تھے۔ میں نے کلکتہ میں لکھنؤ کی عجیب داستانیں سنی تھیں۔ یعنی وہاں ایک عظیم عشرت خانہ ہے۔ باشندے قدرتی طور پہ بہادر اور جنگجو ہیں۔

[1] مرقع خسروی۔ نوٹ: مرقع خسروی اور اس کے متعلق عبارت پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب کی کتاب لکھنؤ کا شاہی اسٹیج سے منقول ہے

گلی کوچوں میں مہیب صورت لوگ ڈھال تلوار بندوق اور پستول سے مسلح نظر آتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ یہاں میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے وہم گمان سے بھی زیادہ تھا۔ پہلے تو مجھے ایوان شاہی دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ یہ گنجینۂ محلات وقصور تھا جس کا سلسلہ دریائے گومتی کے کنارے دور تک چلا گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔

دوسری جانب وسیع رمنہ تھا جس میں شاہی توشہ خانہ تھا اس میں اس قدر کثیر اور مختلف اقسام کے جانور تھے جن کا اندازہ کرنا مشکل تھا مثلاً ہاتھی گینڈے، تیندوے چیتل پاڑھے ہرن ایرانی بلیاں چینی کتے کچھ کھلے بندوں کچھ کٹہروں میں بند۔

اہلِ لکھنؤ کی سپاہیانہ زندگی بشپ ہیبر صاحب نے ڈرلیڈن اور دوسرے سیاحوں نے لکھنؤ کو ماسکو سے مشابہ بتلایا ہے مگر میرے نزدیک لکھنؤ کی ایسی عجائب روزگار چیزیں کہیں نظر نہ آئیں گی اولاً لکھنؤ کے ایسے ہتھیار بند آدمی ان شہروں میں کہیں دکھائی نہ دیں گے ماسکو کے باشندے صرف چھری باندھتے ہیں اور قاہرہ کے لوگوں کے ہاتھ میں کبھی کبھی کچھ ہتھیار دکھائی دیتے ہیں۔ بخلاف اس کے لکھنؤ کے باشندے بالعموم، ہر چی بنے نظر آئیں گے اُن کے پاس ڈھال تلوار اور بندوق یا پستول ضرور ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو کاروبار روزمرہ کرتے ہیں وہ بھی تلوار ضرور باندھتے ہیں اور کوچہ و گرد جب سیر گشت کو نکلیں گے تو کمر میں پیش قبض کی جوڑی اور ڈھال دونوں لگائے ہوں گے۔ بڑی بڑی مونچھوں والے مہیب صورت راجپوت

اور پٹھان اور سیاہ داڑھی والے مسلمان ڈھال تلوار سے لیس تنتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اہلِ لکھنؤ کے پندار خودپسندی وجوش نبرد آزمائی کو بخوبی عیاں کرتے ہیں۔

یہ امر کہ اہلِ لکھنؤ بالعموم سپاہیانہ وضع رکھتے ہیں تعجب خیز نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کمپنی کی فوج میں اودھ کے تربیت یافتہ بکثرت ہیں اور مطلقاً بنگال کی تمام تر فوج یہیں کے باشندوں سے مملو ہے۔

باشندگانِ لکھنؤ میں اسلحہ کا مذاق بچپنے سے پیدا کر دیا جاتا ہے تیر برچھے یہاں کے لڑکوں کے معمولی کھلونے ہیں اور جس طرح انگریز دائیاں بچوں کے ہاتھوں میں جھنجھنے دے دیتی ہیں اسی طرح یہاں چھوٹے چھوٹے بچے اور کاٹھ کی تلواریں کھیلنے کو دی جاتی ہیں۔ اس شہر کے گلی کوچے میری نظر میں بالکل انوکھے معلوم ہوتے گویا عالم رویا میں میرا گذر ایسے ملک میں ہوا ہے جہاں خواص وعوام پہلوان پیدا ہوتے ہیں جن کے چہرے سے جنگجوئی ٹپکتی ہے جس کا تذکرہ میں نے لڑکپن میں قصہ کہانی کی کتابوں میں پڑھا تھا۔"

تقریب ملاقات بادشاہ کے سامنے ہم پیش ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ وہ ڈریس کوٹ، سیاہ گلوبند اور سیاہ وارنش کا بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ۔ ۔ ۔ کھانے کے کمرے میں جب ہم سب لوگ جا کے بیٹھے تو عجیب سماں نظر آیا۔ مغربی اور دیسی سامان ملا ہوا تھا۔ بادشاہ ایک زرنگار کرسی پر بیٹھ گئے۔ جو زمین سے کچھ اونچے پر رکھی تھی۔ ہم لوگ اُن کے دونوں پہلوؤں میں بٹھائے گئے۔ میز کا دوسرا رُخ بالکل خالی تھا اس

غرض سے کہ ملازموں کو رکابیاں پلیٹیں اٹھانے میں آسانی ہو اور جو کچھ کھیل تماشے اس شب کے واسطے تیار ہوئے تھے انھیں بادشاہ سلامت بآسانی ملاحظہ فرما سکیں۔

ہم لوگ آئے بیٹھے ہی تھے کہ نصف درجن اعلیٰ درجہ کی حسینہ و جمیلہ خواصیں ملبوس زرزیب تن کئے کمرے کے ایک گوشے سے پردہ اٹھا کے برآمد ہوئیں چونکہ آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ان کی طرف ہرگز نگاہ نہ اٹھانا۔ میں نظر بچا کر کنکھیوں سے ان کا نظارہ کرتا رہا۔

یہ پری جمال عورتیں بہت ہی خوبصورت تھیں۔ ہلکا ہلکا گلابی رنگ کالے کالے گھونگھر والے بالوں کی لٹیں جن کی چوٹی گندھی ہوئی تھی جن میں زرتار موباف کی بندش اور مرصع سیس پھول چمک رہے تھے۔ گورے گورے چہروں پر سجاوٹ تہر ڈھا رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ رخساروں سے خون چھلک رہا ہے اور شوخی و شنگی ٹپک رہی ہے۔ باریک آب رواں کا دوپٹہ بے ساختگی کے ساتھ کپڑوں پر پڑا ہوا شانوں کے نیچے لٹکتا تھا۔ دوپٹوں پر زری کا کام تھا اور کپڑوں کی باریکی شانوں اور بازوؤں کی چمک دکھا رہی تھی ان عورتوں کے ہاتھوں میں مور کے پروں کی مورچھل تھی اور جب بادشاہ کی پشت پر مگس رانی کرتیں تو اُن کے آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کی ادا غضب تھی سینوں کا اُبھار اور ہر جنبش پر کمر کولھوں کا جھونک قیامت کا سامنا تھا اُن کا جسم زیریں پائجاموں سے پوشیدہ تھا جو زرد سرخ چمکدار رومی اطلس کے تھے، ان پر زرق برق

زردوزی کے کام کی پیٹی کسی ہوئی تھی اور زرا اوپر کرتی کی گوٹ باریک دوپٹے سے اپنا جھگڑا دکھلا رہی تھی۔

بادشاہ کی پشت پر یہ عورتیں چپ چاپ مودب کھڑی ہو گئیں نہ بادشاہ نے ان سے کچھ کہا اور نہ لوگوں میں کوئی ان سے مخاطب ہوا یہی معمول دستور روزمرہ کے کھانے کے وقت کا تھا۔ ان عورتوں کے ہاتھ بازو تک برہنہ تھا اور ان کا لطف اس وقت نظر آتا تھا جبکہ وہ دو باری باری بادشاہ کے پشت مورچھل ہلانے میں اپنی نازک کلائیوں کو آہستہ آہستہ جنبش دیتی تھیں۔

کھانا: انگریزی بہت لذیذ تھا کیونکہ ایک اعلیٰ درجہ کا فرانسیسی کا بدار شاہی باورچی خانہ کا مہتمم تھا۔ شراب اعلیٰ درجہ کی کلارٹ مڈیرا شامپین گرمیوں میں برف لگا کے آتی تھی جس سے سرور اور بڑھ جاتا تھا۔ کھانے کے بعد پیاپے دور چلتا تھا۔ اس کے بعد تروتازہ میوے آتے تھے۔ پھر کھیل تماشے شروع ہوتے۔ نٹ بازیگر اور مسخرے، جگت لڑنے والے سپیرے جادوگر کٹھ پتلی کا تماشا مرغ بیٹر اور تیتر کی بازیاں ہوتیں ساتھ ہی ایک طرف طوائفوں کا ناچ اور ان کی سنگت میں ہر طرح کا ساز چھڑا رہتا ان طوائفوں کی صورتیں ایسی دلکش نہ تھیں جیسی ان خواصوں کی تھیں لیکن ان کا ڈیل ڈول موزوں اور چھب تختی غضب کی تھی۔ شوخی و شنگی چستی و چالاکی کم نہ تھی۔ ایک گوشہ میں گاج کا پردہ پڑا ہوا تھا ادھر دیکھنا آداب دربار کے خلاف تھا کیونکہ وہاں حرم شاہی

تماشا دیکھنے بیٹھتیں۔ عیش و نشاط کی لے بڑھی ناچ گانا ہو رہا ہے اور
بادشاہ شراب سے سرشار ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ وہ بالکل بدمست
ہو گئے آخر کار خواصوں اور خواجہ سراؤں نے سہارا دے کر محل
سرا میں پہنچا دیا۔

پرستان: دوسرے دن ایوان شاہی دیکھا زرنگار
آئینے بیش بہا شیشے کے آلات سے سجا ہوا تھا۔ اس کے ایک
حصے کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی یہ ایک مصنوعی جھیل تھی جو تمام باغ
کو گھیرے ہوئے تھی۔ بیچ میں ایک خوبصورت سی بارہ دری
تھی اس میں باہر کی طرف نہایت نفیس رنگ آمیز گلکاری اس پر
چھوٹے چھوٹے نکیلے اور خوبصورت قبے اور مینارے تھے جھیل کا
پانی ایسا صاف شفاف تھا کہ تہ کی سب چیزیں نظر آتی تھیں اس
کے اندر بڑی بڑی سنہری روپہلی مچھلیاں تیرتی تھیں۔ بارہ دری
تک پہنچنے کے لئے بجرا تھا اس پر ہم دونوں اس پرستان میں داخل
ہوئے دو کمرے متوسط طول و عرض کے تھے اور دونوں بے حد
آراستہ تھے بڑی بڑے دنگل اور کونچیں دیواروں سے لگی ہوئی
تھیں بارہ دری میں کھڑے ہو کر صاف شفاف پانی کا نظارہ
کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پرستان میں گزر ہو گیا ہے۔ جھیل میں مچھلیوں
کا سیماب دشمنی سے تیرنا ڈوبنا اور ابھرنا بجرے کی سجاوٹ سواحل
پر رنگ برنگی پھولوں کی گوٹ اور اردگرد لانبی گھاس اور گھنی
گھنی جھاڑیاں جن میں پھول چھپے ہوئے تھے اور جن کی وجہ سے

گردو پیش کی عمارتیں چھپ گئی تھیں۔ یہ سارا سماں بے حد دلفریب تھا

شکار ایک مرتبہ کھانے پر شکار کا ذکر چھڑا کہ چند میل پر ایک جھیل
میں شکار بہت ہے فرمایا ہاں ہم نے بھی سنا ہے۔ اچھا چلو شکار کھیلیں
قرار پایا کہ ہم لوگ ان عمارات میں جو جھیل کے کنارے واقع ہیں دوسرے
روز مجتمع ہوں ایک عمارت جس کا نام دلکشا ہے شہر سے چند میل کے
فاصلے پر واقع تھی۔ دوسرے دن ہم لوگ وہاں پہنچ گئے۔ اور اس
خیال سے کہ شام تک شکار سے واپس آجائیں گے کسی نے شب باشی
کا سامان نہیں لیا جب وہاں پہونچے تو دیکھا کہ بادشاہ سلامت مع اپنے
خدم و حشم کے تشریف فرما ہیں ہم لوگ سمجھتے تھے کہ پہنچتے ہی جھیل پر چلنے
کے لئے طلب فرمائیں گے مگر کسی نے خبر بھی نہ لی۔ رات کو نو بجے کھانے
پر طلبی ہوئی یہ عرض کرنے کی جرات نہ تھی کہ شکار کیوں ملتوی ہوا کھانے
پینے اور رقص و سرود میں آدھی رات گذر گئی جب بادشاہ نشہ میں
چور ہو گئے تو فرمایا کہ بس اب کل شکار کھیلیں گے یہ کہتے ہوئے محلسرا
میں چلے گئے جاتے وقت پہلے تو ہم لوگوں سے فرمایا کہ آپ کا جی چاہے
تو ناچ گانا موقوف نہ کیجئے گا۔ پھر طوائفوں کے قریب سے جب گزرے
تو فرمایا کہ تم لوگ ناچے گاتے جاؤ۔ وہ وقت بھی خوب تھا لق
ودق کمرہ جہاں ہر قسم کی قندیلیں ہانڈیاں جھاڑ فانوس دیوارگیریاں
روشن تھیں ہو کا عالم تھا۔ بادشاہ گئے ان کے ساتھ ہی ان کی
خواصیں پیش خدمتیں بھی داخل ہو گئیں۔ اب ہم چند نفس اور بے چاری
ناچنے گانے والیاں کیا خاک جی لگتا۔ ہم نے ان کو رخصت کیا۔ میز

پر سے اُٹھے اور گرد گھومنے لگے۔ یہ کل عمارت ہماری چہل قدمی کے
واسطے وقف تھی شاہی خوابگاہ البتہ مستثنیٰ تھی کیونکہ اس کے سامنے
ہندوستانی عورتیں پاپیادہ وردی میں کاندھوں پر بندوقیں رکھے
آہستہ خرامی سے پہرہ دے رہی تھیں دوسرا دن ہوا وہ بھی پہلے
دن کی طرح گزر گیا پوچھنے سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اپنی ایک نئی حرم کے
جو بہت ہی کمسن اور خوبصورت ہے اور جسے ہم نے دو دن
پہلے دلکشا میں دیکھا تھا مشغول عیش ہیں۔ ایک ہفتہ گزر گیا
اس کے بعد ہم لوگ جھیل کی طرف روانہ ہوئے جھیل اور اس کے
گرد کے سامان کو دیکھ کر ہم لوگوں کو سخت تعجب ہوا جھیل دو میل
لمبی ایک میل چوڑی تھی بجز اس رخ کے جس طرف سے ہم پہنچے تھے
ہر طرف گھنا جنگل تھا جس کے درختوں کی شاخیں پانی پر سایہ فگن
تھیں۔ جدھر جنگل تھا اُدھر کا کنارا ذرا بلند تھا اور اس پر سرسبز
وشاداب مرغزار دور تک نظر آتا تھا اسی میں بڑے بڑے خیمے
راوٹیاں چھولداریاں نصب تھیں بیچ میں شاہی خیمے تھے جن کے
گرد قنات کھڑی ہوئی تھی۔ خاص شاہی خیمہ زرتار بادلے کا تھا
جس میں قرمزی دھاریاں عجیب حسن رکھ رہی تھیں۔ اس کے
گرد زرنگار جھنڈے لہرا رہے تھے قنات کی پشت پر شاہی محلات
وبیگمات ان کی پیش خدمتیں خواصیں زنانہ پہرے والیوں، ڈومنیوں
وغیرہ کے خیمے ترتیب وار نصب تھے۔ بادشاہ کے خیمے کے داہنی جانب
رزیڈنٹ کے لئے ایک خوشنما خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ دوسری جانب

کچھ فاصلے پر ہم یورپین ملازمین کا خیمہ تھا۔ ان خیموں کے علاوہ وزیران
کے صاحبزادے سپہ سالار جنرل صاحب یعنی پولیس کے افسر اعلیٰ اور
دیگر عہدیداروں کے خیمے تھے ان میں سے بعض کے ہمراہ بہت کچھ
خدم وحشم تھا اس چھوٹے سے شہر میں ہاتھی گھوڑے خچر بھی تھے کہیں
ہاتھیوں کے ہودے نظر آتے تھے کہیں پالکیاں اور ہوادار اور پھر
انھیں کے ساتھ طرح طرح کی بند سواریاں شاہی مخدرات کے لئے
تھیں.... بادشاہ تین دن شکار کھیلتے رہے.... اس کے بعد
بازوں سے شکار ہوا ان سے ایسے ایسے کام لئے گئے۔ جو ان کی سمجھ
سے بہت بعید معلوم ہوتے تھے۔ پہلے ہزاروں جانوروں کو دانہ
ڈال کر جھیل کے کنارے جمع کیا گیا اور چار پانچ باز چھوڑے گئے
بندوقیں لے کے ہم لوگ کچھ جھیل کے کنارے کچھ کھلے میدان میں کھڑے
ہو گئے اور کچھ کشتیوں پر سوار ہو گئے اسی دوران میں ہزارہا جانور
پانی سے اُڑ کر ہوا میں بلند ہوئے اور بازوں نے تلے اوپر سے
ان کو گھیر کر ایک مقام پر قائم کر دیا نہ بلند ہونے دیتے نہ زمین
پر اُترنے دیتے اور ہم لوگ بندوقوں کا نشانہ بناتے رہے عجیب
چہل پہل اور زندہ دلی تھی.... بادشاہ کو شکار کا ایسا لطف
ملا کہ انھوں نے آگے بڑھ کر درندوں کے شکار پر رغبت ظاہر کی..
حسب الحکم جھیل کے کنارے سے خیام شاہی اکھاڑے گئے اور
شمال کی جانب کوچ بولا گیا۔ اس لاؤ لشکر کے ساتھ قطع منازل بآسانی
ممکن نہ تھا۔ سامان شکار میں باز بھی تھے کیونکہ ابھی ان کے ذریعے

شکار کھیلنا منظور تھا۔ چیتے بھی تھے بارہ سنگھے بھی تھے سب چھکڑوں
پر بند گاڑیوں میں لدے چلے جا رہے تھے ان کے ہمراہ ان کے
محافظ بھی تھے۔ شاہی حرم سرا بھی تھیں جن میں خاص بیگمات اور
بہت نظر کردہ شاہی تھیں، رنڈیاں ڈومنیاں خواصیں پیش خدمتیں
اور پہرہ دارنیاں سب بند سواریوں میں سوار ایک فوج کی فوج
تھی۔ باڈی گارڈ کا رسالہ بھی مزرق نیلگوں وردی میں سجا ہوا
تھا۔ ہاتھی بھی تھے اونٹ اور سانڈنیاں بھی تھیں کچھ بار برداری
کے لئے کچھ ہرکاروں کی سواری کے لئے گھوڑے بھی ریل پیل تھے
ان سب میں ہمارے جلوس کا اضافہ کرنا چاہئے جس میں ہاتھی گھوڑے
پالکیاں تھیں۔ اتنے بڑے لاؤ لشکر کا سفر کچھ آسان نہ تھا۔ کسی طرح
یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ صرف سادے طور پر شکار کھیلنے جا رہے ہیں
بلکہ خیال ہوتا تھا کہ کوئی ہندوستانی راجہ تیار فوج لے کر کسی ملک پر
چڑھائی کرنے چلا ہے اور شاہانہ فوج و سامان سے چلا ہے ۔۔۔۔
غرض اس لشکر کا ورود ایک دوسری جھیل پر ہوا جو پہلی جھیل سے
۴۵ میل کے فاصلے پر تھی اور پہلی جھیل سے دوگنی، صحرائیت میں
بدرجہا زیادہ جوں جوں ہم شمال کی طرف بڑھتے جاتے تھے کوہ
ہمالیہ کا برفیلا سلسلہ نظر آتا تھا۔۔۔ لشکر کا پڑاؤ جھیل سے کچھ
فاصلے پر ڈالا گیا۔۔۔ بادشاہ حسب قاعدہ تنہا شکار میں مشغول ہوئے
۔۔۔۔ باز کے شکار کی نوبت آئی۔۔۔ جوں ہی باز کو چھوڑتے
وہ تیر کی طرح ہوا میں جاتا پھر آہستہ آہستہ شکار کے گرد گھومتا اور

پھر اوپر اُڑ کر بجلی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتا اور پنجوں میں پکڑ کے
اُس کو گھائل کر دیتا اسی حالت میں پنجوں میں دبائے گڈمڈ زمین پر
گر پڑتا ۔۔۔ جب ہم لوگ دیکھ لیتے کہ باز نے شکار کو دبوچ
لیا ہے فوراً اس کے تعاقب میں گھوڑے دوڑاتے ۔۔۔ بادشاہ
شہسوار بہت اچھے تھے شکار کے تعاقب میں ان کو خاص لطف
آتا ۔۔۔ شکار کے بعد ہم لوگ کھانا کھاتے ہر قسم کا سامان جو لکھنؤ
میں ہوتا تھا بدستور مہیا رہتا ۔۔۔ طرح طرح کے الوان نعمت بڑے
بڑے شمعدان بیش بہا ظروف چینی و نقرئی شاہی خواصیں پیش
خدمتیں مور کے پنکھوں سے مصروف مگس رانی ارباب نشاط سرگرم
رقص و سرود یہ سب جنگل کو منگل بنائے ہوئے تھا اور ہرگز یہ
قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ہم لوگ کسی ایسے مقام پر ہیں جو لکھنؤ سے
پچاس میل کے فاصلے پر ہے اور جس کے گرد جنگل ہی جنگل ہے چونکہ
اس جنگل میں بنڈیلے سور اور شیر نہ تھے اس لئے ان کے شکار کو آگے
جانا پڑا ۔۔۔ اس جنگل میں ہرن بہت تھے لہذا تجویز ہوا کہ پہلے ہم
لوگ بارہ سنگھوں سے پھر چیتوں سے پھر خود گھوڑے پر اور پیدل
ان کا شکار کریں۔ کیونکہ بادشاہ بندوق اور باز کے شکار سے اُکتا
گئے تھے ۔۔۔۔ بڑے بڑے کارآزمودہ ہنکوائے بھیجے گئے وہ
ہرنوں کے غول کے جن کی سربراہی نر کرتا ہے بغیر شور و غل مچائے
اور منتشر کئے کھلے میدان میں ہنکا لائے۔ شاہی لشکر کے بارہ سنگھے
چھوڑ دیئے گئے وہ جنگل کے کنارے میدان میں سبک خرامی سے جاتے

لگے۔ ہرنوں کے گلوں کے نگہبانوں کی نگاہ ان پر پڑی۔" ان میں جو
دلیر تھے آگے بڑھے۔۔۔ گتھم گتھا شروع ہو گئی۔ کلہ بکلہ شاخ بشاخ
دست بدست بڑی بے جگری سے زور لگانے لگے۔۔۔۔ ہم لوگ
کھلے میدان میں گھوڑوں پر لڑائی دیکھنے اکھٹے ہوئے۔ ہرن تو سب
رفو چکر ہو گئے۔ صرف لڑنے والے میدان میں جمے رہے اتنے میں
ایک گروہ آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا اور بڑے بڑے چاقوؤں
سے ان کو گھائل کرنے لگا جس سے وہ تھر تھرا کے زمین پر گر پڑے
۔۔۔۔ بارہ سنگھے واپس بلا لیے گئے اور وہ محافظوں کی آواز پر کتوں
کی طرح سر جھکائے واپس چلے آئے۔۔۔۔ ایک روز ہرن کے شکار
کے لیے چیتے چھوڑے گئے۔۔۔ شکار کے سامنے چیتوں کا لے جانا کوئی
آسان بات نہیں ہے۔ چیتے پالنے والے ان کے گلے میں کتوں کی
طرح زنجیریں ڈال کے لے جاتے ہیں تھوڑی دیر تک وہ خوشی
خوشی چلا جاتا ہے لیکن جہاں کہیں کسی چیز پر نظر پڑتی یا جنگل کی
طرف سے کوئی آواز آئی یا زمین سے کسی قسم کی بو اس کے دماغ میں
پہنچی بس وہ ٹھٹھک کے بھونچکے پنے سے سر اٹھا کے دیکھنے لگتا
ہے اور پھر چند ہی منٹ میں بے قابو ہو جاتا ہے اس موقع پر اس
کو رام کرنے کے لیے لکڑی کے دستہ میں لگا ہوا پڑا از نمک ناریل
سنگھایا جاتا ہے جس کے اثر سے اس کے دماغ سے وہ کیفیت دور
ہو جاتی ہے اور وہ سیدھی چال چلنے لگتا ہے جتنی مرتبہ علامات وحشت
نظر آتی ہیں اتنی ہی بار یہ تدبیر کی جاتی ہے۔۔۔۔ جب چیتا شکار کے

سامنے پہنچ جاتا ہے اس وقت اس کی اچھل کود اور بیتابی قابل دید
ہوتی ہے ادھر ہرن بے تحاشا چوکڑیاں بھرنے لگتا ہے۔ اونچا نیچا
کھائی خندق کچھ نہیں دیکھتا۔ بڑے زوروں سے طرارے بھرتا
ہوا میں اڑتا نظر آتا ہے۔ ادھر چیتا بے اختیار زقندیں بھرتا کبھی
درختوں کی ڈالیوں کو پھاندتا کبھی پانی میں گرتا۔۔۔۔ شکار کا
پیچھا کرتا ہے یہ ساری کیفیت دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے ایسی
صورت میں جو سوار اس کے پیچھے دوڑتے ہیں ان کی کارگزاری
کوئی آسان امر نہیں باوجودیکہ ہزار کوششیں کی گئیں کہ بادشاہ
بآسانی اس شکار کا تماشہ ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔ پھر بھی نظر جمائے رہنا
آسان نہ تھا۔ ہم لوگوں کی سواری میں نہایت تیز اور جاندار گھوڑے
تھے ریتلی زمین دلدل اور جھاڑیوں سے ان کا آسانی سے گزرنا
ممکن نہ تھا لیکن گھوڑے دوڑے چلے جا رہے تھے کسی کو یہ
تاب نہ تھی کہ بادشاہ کے آگے گھوڑا نکال لے جائے بدحواسوں کی
طرح آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ چیتا ہوا پر اڑتا
چلا جا رہا ہے کہ دفعتاً ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ اب گھوڑے
بھی طرارے بھرنے لگے لیکن ہرن تھک گیا تھا اور چوکڑی بھول
چکا تھا سامنے جنگل تھا ایک جھاڑی کے قریب پہونچتے ہی چیتے نے
اس کو دبوچ لیا۔ اس پر بادشاہ سلامت بہت محظوظ ہوئے کیونکہ
حضرت سلامت عین موقع پر پہنچ گئے تھے۔
اس شکار کے وقت ہم لوگ موضع مصرکھ کے شمالی جانب چند میل

کے فاصلے پر دریائے گومتی کی شاخ ٹُنٹا ندی کے درمیان خیمہ زن تھے۔ ایک بار ہم لوگ چیتے کے تعاقب میں ایک چھوٹے سے برائے آب پر پہنچے جس کے کنارے چمکدار اور شور بالو بھی نوسادر کی ایسی تیز۔ خوش قسمتی سے اس وقت ہوا اتنی تیز نہ تھی ورنہ ہم لوگ آنکھوں سے معذور ہو جاتے پھر بھی جتنی گرد اُڑی اس کا اثر اتنا ہوا کہ آنکھ ناک اور جسم میں چیونٹیاں سی لگ گئیں گھوڑوں پر بھی اثر تھا وہ زور زور سے کھانسنے لگے اس واقعے سے ہمارے شکار کے خاتمے کی بنیاد پڑ گئی کیونکہ اس کا اثر بادشاہ سلامت کی آنکھ ناک پر ایسا ہی ہوا غصہ کی حالت میں ان کی زبان سے کلمات ناملائم اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکل رہے تھے۔۔۔۔۔ شام کو جب ہم لوگ خاصے پر حاضر ہوتے اس وقت بادشاہ سلامت پر تکلیف کا اثر تھا۔ آنکھ ناک میں ریزہائے خاک کھٹک رہے تھے طبع معلیٰ مکدر تھی اور بات چیت اُکھڑی اُکھڑی تھی اس شب کو اعلیٰ حضرت ہم لوگوں سے مخاطب نہیں ہوتے۔ خاصہ تناول کا سرخ پن مصاحبوں کے لطائف وظرائف ناچ گانے کسی سے غنچۂ خاطر شگفتہ نہیں ہوا۔ ان کو غصہ اس پر تھا کہ پہلے سے ان کو بتایا کیوں نہیں گیا۔۔۔۔ وہ بے کیف خلاف معمول سویرے حرم سرا میں داخل ہو گئے۔۔۔ ہم لوگ جیسے ہی پلنگ پر لیٹے کہ دفعتاً بڑی گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار مینہ برسنے لگا اور ہم لوگ ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھے۔۔۔۔ آدھی رات آگئی تھی ہوا کی سنسناہٹ

دیو غزاں کی طرح سُنائی دیتی تھی۔ خیمہ سربسجود ہوا جاتا تھا۔ چوبیں کبھی جھکتی تھیں کبھی اُٹھ جاتی تھیں۔۔ جب ذرا گرج کڑک کم ہوتی تو گھوڑوں کا ہنہنانا اونٹوں کا بلبلانا ہاتھیوں کی چنگھاڑ آدمیوں کا شور غوغا سُنائی دیتا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ شاید کچھ جانور چھوٹ گئے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھی خیموں کی رسیوں میں اُلجھ جائیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی مگر جانوروں کی چیخ دھاڑ آدمیوں کا غل غپاڑہ اور بھی زیادہ ہو رہا تھا اس کی وجہ سے سونا مشکل ہو گیا اتنے میں شاہی چوبدار نے آ کر کہا کہ باڈی گارڈ کے کپتان کو فوری طور پہ حاضری کا حکم ہے یہ سنتے ہی ہم سب اُٹھ بیٹھے خیال ہوا کہ ایسا ہی کوئی اہم امر ہے جو اس طوفان کی حالت میں کپتان کی طلبی ہوئی ہے۔ عقل آرائیاں ہونے لگیں کہ نواب وزیر جن کے سپرد خیام شاہی کا اہتمام تھا۔ ان کی گرفتاری اور قتل کا حکم تو نہیں ہوا کپتان صاحب روانہ ہو گئے۔۔۔۔ چونکہ ابھی پانی جھما جھم برس رہا تھا اس لئے خیمہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی اتنے میں کپتان صاحب واپس آئے اور کہنے لگے ہم جاتے ہیں جہاں پناہ نے لکھنؤ کوچ کا حکم بول دیا ہے ان کی کل فوج محلات شاہی ساتھ ہو گی بادشاہ بہت برہم ہیں ہمیں نواب وزیر کے ساتھ آنے کا حکم تھا صبح کا انتظار کرنے لگے اتنے میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ پالکی کے کہاروں کی داہنے بائیں کی آواز ہاتھیوں کے بھاری بھاری کی چاپ سُنائی دینے لگی اور کچھ دیر کے بعد مدھم پڑنے لگی۔ یہاں تک کہ سناٹا

ہو گیا بادشاہ سلامت کا حکم نادری ہوتا تھا۔ ادھر منہ سے بات نکلی اور ادھر تعمیل ہوئی لہٰذا سواری چلی تو بس رکنے کا کیا ذکر۔

زنانہ پلٹن حرم شاہی کے نوادر میں جو چیز یورپ کو عجیب معلوم ہوگی وہ وہاں کی زنانہ فوج ہے۔ میں نے خود ان مردنما پاہیوں کو زنانی ڈیوڑھی پر طلایہ کرتے دیکھا ہے۔ مجھے عرصہ تک ان کے عورت ہونے کی خبر نہ تھی ان کو پست قد مرد سمجھتا تھا۔۔۔۔ یہ اپنے لانبے بالوں کا جوڑا سر پر رکھ کے پگڑی سے چھپا لیتی تھیں باقی وردی وہی تھی جو مردوں کی ہوتی ہے۔ وہ مردوں کی طرح ہتھیار بند بھی ہوتی تھیں۔ ہاتھ میں سنگین چڑھی ہوئی بندوق، کمر میں پیٹی، شانے پر کارتوسوں کا پرتلا بقیہ وہی وضع جو اطالیہ کی فوج کی ہوتی ہے چونکہ ان عورتوں سے حرم شاہی کے پہرے کا کام متعلق تھا میں نے خود اُن کی صفوں کو در دولت کے صحن میں پرا جمائے دیکھا ہے۔ ایک ہندوستانی افسر شاہی فوج کا آتا اور قواعد سکھاتا۔ عورتیں پوری طرح بندوق تاننے، آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے، اِدھر اُدھر گھومنے، بندوق بھرنے، نشانہ باندھنے، سنگین چڑھانے کا کام اسی ترتیب و قواعد کے ساتھ کرتی تھیں جیسے بارکوں میں ہوتے ہیں۔۔۔ بادشاہ سلامت ان عورتوں کو دیکھ کر محظوظ ہوتے اور انعام دلا دیا کرتے تھے ۔۔۔ ان میں اکثر شادی شدہ تھیں زمانۂ حمل میں چند روز کیلئے علیحدہ ہو جاتی تھیں یہ احکام نہایت تہذیب کے ساتھ بہت ہی بد الفاظ میں ہوتے ان کے معہود ذہنی معنے ایک اور پیرائے میں

ادا کئے جاتے ان کی دو کمپنیاں تھیں میرے زمانۂ قیام میں بادشاہ نے ان کو اپنی سوتیلی ماں کے مقابلہ میں لڑنے کے لیئے بھیجا تھا انھیں ایک مکان سے دوسرے مکان میں تبدیل ہونے کا حکم دیا انھوں نے انکار کر دیا تو یہ زنانہ فوج بھیجی گئی انھوں نے بھی اپنے سپاہیوں کا مقابلہ کا حکم دیا۔ طرفین میں خوب جنگ ہوئی زنانہ فوج کو شکست ہوئی مگر بیگم صاحب کے پندرہ سولہ آدمی مارے گئے۔

کہاریاں لکھنؤ کے حرم شاہی میں کہاریوں کا گروہ بھی قابلِ ذکر ہے ان کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ جب بادشاہ سلامت یا کوئی بیگم صاحبہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں جائیں تو ان کی پالکی اپنے کندھوں پر لے جائیں ان کی قواعد سپاہیانہ انداز میں ہوا کرتی تھی ۔۔۔ بیگمات کی خدمت کے لئے بہترین پیش خدمتیں بھی ہوا کرتی تھیں ان میں کچھ تو قدیمی خانہ زادیں ہوتی تھیں اور کچھ غریب والدین سے بوجہ حسن و صورت یا سلیقہ و خدمت گزاری خریدی جاتی تھیں ان کی حسن خدمت کا معیار اچھا گانا اچھی داستان کہنا اور اچھی طرح بات چیت کرتا تھا۔ لونڈیوں کی طرح کم از کم ڈیڑھ سو خواجہ سرا تھے ان سب کا افسر بادشاہ بیگم (جو دہلی کی شہزادی تھیں) کی ڈیوڑھی پر رہتا تھا اور ملک اودھ میں بڑے پائے کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

بیگمات اور ان کا لباس پائجامہ ساٹن کمخواب یا کسی اور ریشمی کپڑے کا کمر کو توں پھنسا لیکن نیچے پہنچ کے خوب پھیلا

ہوا۔ بڑے پائچوں کے ڈھیر زمین پر پڑے ہوتے جو آگے سے اُٹھا کے ناف کے پاس گھرس لئے جاتے۔ ان پر سنہری روپہلی پٹیاں لگی ہوتی سامنے کی طرف زرتار ازار بند لٹکتا اُس کے پھُند نے زانوں پر پڑے ہوتے جگہ جگہ جواہرات اور موتی ٹکے ہوتے... سینہ پر محرم یا سینہ بند اکثر کسی نازک کپڑے کی جس سے سینہ کا اُبھار پوری طرح نظر آتا... گردن سے نیچے تک اور کٹوریوں میں بیل بنت بیلی ستارے کا نہایت نازک کام بنا ہوا محرم پر ایک کرتی کمر تک اکثر جالی کی ایسی کہ اس سے محرم کا جوبن زیورات کی آب و تاب نیفہ اور پیٹی کا حسن چھپ نہ سکتا تھا ان پر کرتی کا زرق برق مسالا اور بھی حسن دکھاتا تھا۔ اس پوشاک پر ایک ہلکا سا دوپٹا بھی اوڑھا جاتا تھا جو سنہری روپہلی بادلے کا ہوتا تھا لیکن ان پر بھاری کامدانی کڑھی ہوتی تھی اور پھر نہایت بھاری بھاری آنچل بھی ان پر لگائے جاتے تھے یہ دوپٹا سر سے نیچے کی طرف پڑا ہوتا ہے اور دونوں شانوں سے اس کے آنچل لٹے جاتے ہیں اس کے اوڑھنے کی دھج ایسی پیاری ہوتی ہے کہ بدصورت عورت بھی اوڑھ لیتی ہے تو پری معلوم ہونے لگتی ہے نہ کہ خود بھی پری جمال ہو تو اور چار چاند لگ جاتے ہیں... اب ذرا اپنے تخیل میں ایک ایسی عورت کا نقشہ جس کا بوٹا سا قد کھلا ہوا رنگ ہاتھ کی ہتھیلیاں انگلیوں کی پوروں سے ناخن تک مہندی سے گلنار و گلکار رچتا پہنے آنکھیں ایک تو یوں ہی نشیلی اس پر سرمگیں اور بھی جادو بن

گئیں ابرو کے بال احتیاط سے برابر جماتے ہوتے کہ کہیں اونچ نیچ نہ معلوم ہو جیسے توس کی شکل کڑی کمان کی طرح تنی... چکنی چکنی بلند پیشانی کتابی چہرے پر کالے کالے بالوں کی لٹیں چنبیلی کے عطر میں مہکتی ہوئی کچھ تو سامنے پڑی ہیں۔ باقی موباف کے پیچوں میں اُلجھی ہیں اور چوٹی بن کے پشت پر لہرا رہی ہیں۔ کانوں میں مرصع بالیاں ناک میں بڑی سی نتھ جس میں دو چمکدار موتیوں کے بیچ میں یاقوت پڑا ہے خیال کرو اس شکل و صورت کی عورت اس سج دھج اور بناؤ سنگار کے ساتھ نہایت زیب ناز و کرشمہ و انداز سے اوپر کا جسم باریک دوپٹے سے نیم وا اور نیچے کا جسم ایک زرق برق رنگین جامہ پنہاں کئے ہوتے تمہارے سامنے کھڑی ہے اب تخیل کامل ہے تو یقیناً دربار اودھ کی ایک بیگم کا نقشہ تمہاری نظر میں پھر جائے گا۔

سواری کا اہتمام

اب ان کی سواری کا تزک و احتشام دیکھیے کہ وہ درگاہ کس شان سے جاتی تھیں ان کی سواری کے آگے باڈی کا رسالہ نیلی وردی میں جن پر روپہلا کام زردوزی سے بنا ہوا جھنڈیاں لہراتا بینڈ بجاتا اس کے پیچھے دو پلٹنیں پیدلوں کی، جھنڈی اور باجے کے ساتھ ان کے بعد علم برداروں کی ایک کمپنی جن کی وردیاں سفید اور علم بھی چاندی کے ہوتے تھے جو پیدل پلٹن کی ارغوانی رنگ کی وردیوں کے مقابلے میں بہت ہی خوشنما معلوم ہوتی تھیں ان کے بعد کچھ لوگ سفید لباس پہنے

نقرئی جھنڈیاں ہاتھوں میں لیے ہوتے تھے۔ ان پر سلطنت اودھ کا شاہی مارکہ کڑھا ہوا ان کے بعد چاندی کی پالکی پر پوشش پڑی ہوئی تھی جس میں بادشاہ بیگم صاحبہ ہوتی تھیں بیس کہار اس کو اٹھائے ہوتے تھے اور ہر دو فرلانگ پر بدل جاتے تھے یہ کہار اس قدر چست لباس پہنے ہوتے تھے اور ڈھیلی ڈھیلی قبائیں گلنار جن پر کارچوبی کا کام ان کے سر کی پگڑیوں میں سنہری روپہلی مچھلیاں ٹنکی ہوتی تھیں اور ان مچھلیوں میں طلائی زنجیریں اور پھندے ہوتے تھے۔ جو شانے پر لٹکے تھے۔ کہاروں کے پیچھے مہریاں (کہاریاں) ہوتی تھیں جو کہاروں سے پالکی لے کے اندر جاتی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک بھیڑ طلائی اور نقرئی عصا برداروں کی ہوتی تھی۔ یہ لوگ بیگم صاحبہ کے نام کا کڑکا بولتے چلتے تھے اور فقراء کو سواری کے قریب آنے سے روکتے تھے۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر روپیہ اور اشرفی لٹایا جاتا تھا عصا برداروں کے بعد خواجہ سراؤں کا افسر اعلیٰ نواب ناظر ہاتھی پر سوار ہمراہ ہوتا تھا۔ اس کی پوشاک نہایت زرق زرنگار و جواہر نگار ہوتی تھی اس کے سر پر ایک نفیس جگمگاتا شملہ کاندھے پر اعلیٰ درجے کا کشمیری دوشالہ اس کے بعد بیگم صاحبہ کی خواصیں اور پیش خدمتیں کچھ پالکیوں کچھ چنڈولوں کچھ ہاتھیوں پر ان سب کے ساتھ سپاہی برق انداز علم بردار عصا بردار بے حد شمار ہوتے ان بیگموں کی تعداد دو سو تک ہوتی تھی۔۔۔۔ اس شان و شکوہ اور انبوہ کثیر اور بے حد شور و غل کے ساتھ بادشاہ بیگم کی سواری متبرک

مقام کو زیارت کیلئے نکلا کرتی تھی۔

کھیل تماشے

دربار اودھ میں کھیل تماشوں کے شوق میں سکھائے ہوئے پرندوں اور درندوں کی لڑائی کا چرچا بہت تھا ان میں تیتر، مرغ اور بیٹر کی لڑائیاں عموماً کھانے کے بعد اسی منبر پہ ہوتی تھیں۔ بارہ سنگھوں کی لڑائی شاہی باغ کے احاطہ میں ہوتی تھی بادشاہ سلامت برآمدے میں بیٹھ کر دیکھتے تھے یہ بڑے بڑے سینگ والے جانور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے تھے وہ حالت قابل دید ہوتی تھی۔۔۔۔

جب چیتے لڑائے جاتے تھے تو کئی دن تک بھوکے رکھے جاتے تھے بادشاہ کے یہاں ایک چیتا لگا بڑا گراں ڈیل تھا اور کئی لڑائیاں جیتے ہوئے تھا میں نے اس سے بڑا چیتا کہیں نہیں دیکھا۔۔۔۔ ایک بار خبر ملی کہ ایک بڑا زور آور تنومند چیتا ترائی میں پکڑا گیا ہے رائے ہوئی کہ لگڑا سے لڑایا جائے۔۔۔۔ اس کی لڑائی بہت ہنگامہ خیز ہوئی۔

لکھنؤ میں اونٹ بھی لڑائے جاتے ہیں۔ چونکہ قدرت نے اس کو صلح جو پیدا کیا ہے اس لیے اس کو لڑانے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے اس کی تبدیلی فطرت کی لاحاصل سعی بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ کوہ آتش فشاں کی طرح اونٹ اپنے حریف پر جھاگ کی بوچھار کر دیتا ہے اور پیٹ بھر کے جھاگ اڑاتا ہے۔ اور یہ چیز بڑی خطرناک ہوتی ہے جب ایک اونٹ اپنے حریف کا لمبا لمبا ہونٹ سفاکی سے دانتوں میں دبا کر کھینچتا ہے۔

گینڈا ابھی خلقۃً صلح پسند جانور ہے۔ مگر اونٹ کے مقابلے

میں لڑائی کے لیے موزوں ہے۔ اس کا قزادلی سینگ اس کی فولاد
سے زیادہ مضبوط کھال بھاری بھرکم ڈیل اس کے قوی دست
و بازو ایسی چیزیں ہیں جن کے بل پر وہ بڑے بڑے جانوروں کا مقابلہ
کرتا ہے اور ان کے لیے ہیبت ناک ہوتا ہے۔۔۔ میرے زمانہ
میں شاہی توش خانہ میں پندرہ بیس گینڈے تھے۔ ان کی لڑائیاں
کھلے سبزہ زار میں ہوا کرتی تھیں جن کے گرد بڑے بڑے مضبوط
ستون قائم کر کے مچان باندھے گئے تھے۔ برآمدے کی طرح اسی پر بیٹھ
کے لڑائی دیکھی جاتی تھی۔ ہاتھیوں کی طرح مخصوص موسم میں گینڈوں
کو مقوی اور منشی چیزیں کھلا کر تیار کرتے اور آمنے سامنے ہنکا دیتے
وہ اپنی گردن نیچی کر کے جھپٹ پڑتے اور سور کی طرح اپنی خاردار
پیشانی بڑھا دیتے۔۔۔

گینڈے اور ہاتھی کی لڑائی بھی بہت سخت ہوتی ہے طرفین
سے سخت زور آزمائی ہوتی ہے ہاتھی اپنی سونڈ اٹھا کے گینڈا اپنی
سینگ جھکا کے مقابلہ کو جھپٹتا ہے۔۔۔ گینڈے اور تیندوے کی
لڑائی بھی بڑی جاندار اور گرماگرم ہوتی ہے شیر سے بھی اس کی
لڑائی بڑی سخت ہوتی ہے اور نہایت پامردی اور اطمینان سے
لڑتا ہے۔۔۔ شیر شیر سے اور ہاتھی ہاتھی سے بھی لڑائے جاتے ہیں
ڈیڑھ سو ہاتھی صرف لڑائی کے لیے تھے۔ ان میں ایک ہاتھی بڑا
زور آور اور کوہ پیکر تھا سو مرتبہ لڑائی میں فتح حاصل کر چکا تھا
اس کا نام ملر تھا۔

جس زمانہ میں کمانڈر انچیف دولت برطانیہ لکھنؤ میں تشریف فرما ہوئے
اتفاق کی بات کہ اس زمانہ میں ملر مست تھا اور ایک اور ہاتھی بڑا
زبردست مست ہو گیا۔ دونوں کا جوڑ ملا دیا گیا۔۔۔ ہاتھی کی گردن
پر اس کا مہاوت بیٹھا ہوتا ہے سوا مہاوت کے اور کسی کو اس کے
قریب جانے کی مجال نہیں ہوتی ایک مضبوط رسی ہاتھی کی گردن سے
کر دم تک باندھ دیتے ہیں۔ لڑائی کے وقت اسی کو تھامے ہوئے
مہاوت اس کی گردن پر جا بیٹھا ہوتا ہے اور نہایت ہوشیاری سے اس
پر گھومتا پھرتا ہے۔۔۔ دونوں ہاتھی چھوڑے گئے ملر اپنے حریف
کے مقابل میں زیادہ گراں ڈیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اپنی اپنی دم
اور سونڈ اٹھا کے بے تحاشہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔۔۔
چنگھاڑ اور گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ دونوں میں زور کی ٹکر ہوئی
مستک سے مستک اس زور سے لڑی کہ دھماکے کی آواز آدھ میل
تک سنائی دی۔ دونوں نے منہ سے منہ اور دانت سے دانت ملا کر
زمین پر مضبوط قدم جما دیے سونڈیں اوپر کو اٹھی تھیں دھکم دھکا
ریل پیل شروع ہوئی پیٹھیں زور کرتے کرتے کبھی خم ہو جاتی تھیں
کبھی تن جاتی تھیں جس سے ان کے زور لگانے کا اندازہ ہوتا
تھا۔ دونوں کے مہاوت ان کی گردنوں پر بیٹھے انکسوں کے ہولے
زور زور سے لگاتے اور چلا چلا کے اپنے ہاتھی کو جوش دلاتے
ہر شخص سناٹے کے عالم میں تھا۔۔۔۔ ملر اپنے حریف پر قابو پانے
لگا اس کے مہاوت نے بے تکان خود مچانا شروع کر دیا اور

اس کے سر پر الٹس سارنا شروع کیا۔۔۔۔ دونوں، ہاتھی گھاٹ سے چند گز کے فاصلے پر تھے دوسرا ہاتھی کھسکتا ہوا دریا کے کنارے پہنچ گیا اور پچھلے پاؤں سے جست کر کے دربار میں کود پڑا۔۔۔۔ اور پیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا لیکن غصہ کی حالت میں چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کس پر حملہ کرے ہمادت اس کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہاتھی گھوما! ہمادت کا آسن اکھڑا اور وہ دھم سے زمین پر آ رہا ہاتھی نے ایک پاؤں اس کے سینے پر رکھ دیا ہڈیوں کے چٹا چٹ ٹوٹنے کی آواز ہمارے کانوں تک آئی اس نے سینے پر پاؤں رکھے ہی رکھے اپنی سونڈ سے اس کا ہاتھ شانے سے اکھاڑ کے پھینک دیا پھر دوسرا ہاتھ بھی اسی طرح خون میں لتھڑا ہوا ہوا میں نظر آیا ہیبت ناک سماں تھا۔ دیکھنے والے تھرا اٹھے کہ ہم نے دیکھا کہ ایک عورت بڑے زور سے چیختی ہوئی ٹیر کی طرف آ رہی ہے اس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے یہ دیکھ کر ہم لوگ اور زیادہ مضطرب ہو گئے کما نڈر انچیف بے تابی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے جہاں پناہ خون ہوا چاہتا ہے للہ خبر لیجئے ۔۔۔۔ بادشاہ سلامت نے کہا کیا کیا جائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ عورت اسی ہمادت کی معلوم ہوتی ہے۔ سانٹے مار تیزی سے ہاتھی کی طرف چلے مگر وہ عورت دلیری سے اس کے پاس پہنچ گئی اور چلائی ٹیر بے درد ٹیر چلا دیلر دیکھ تو سہی تو نے یہ کیا غضب ڈھایا ہے اب پورے گھر کا ناس کر دے مدت تک اس کا ایک ایک

لفظ کان میں گونجتا رہا ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ہمادت کی لاش سے ہٹ کے اب وہ اس بیوہ اور یتیم کا خون کرے گا لیکن اس کے برعکس ٹیر کا سارا غصہ فرد ہو گیا یہ سماں بھی عجیب دردناک تھا عورت ہائے وائے کا غل مچاتی ہاتھی کے گرد پھر پھر کے اس کو صلواتیں سنا رہی تھی اور وہ سناٹے کے عالم میں غمگین نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔

محرم یکم محرم کو اکثر مسلمانانِ لکھنؤ ایسے مغموم نظر آتے ہیں گویا دنیا کے تمام کاروبار اور عیش و راحت سے محروم کر دیئے گئے ہیں گلی کوچے سنسان پڑ جاتے ہیں ہر شخص اپنے گھر میں سوگوار ہو جاتا ہے دوسری تاریخ کو گلیوں میں بھیڑ نظر آتی ہے اور لوگ ماتمی لباس پہنے تعزیوں کے جلوس میں دکھائی دیتے ہیں جگہ جگہ تعزیے نظر آتے ہیں اور ان کے ساتھ خلقت کا ہجوم ہوتا ہے۔۔۔

بادشاہ سلامت کا تعزیہ غازی الدین حیدر کے زمانہ میں انگلستان سے بن کے آیا تھا سبز بلور کا ڈھلا ہوا اس پر سنہرا مینا کیا ہوا تھا۔۔۔۔ امام باڑوں کی بے انتہا روشنی میں کارچوبی کام کی چیزوں کی اس قدر چمک دمک ہوتی ہے کہ نظر خیرہ ہو جاتی ہے طلائی و نقرئی پنجوں کی جگمگاہٹ بھاری بھاری ٹیکوں کی سجاوٹ زردوزی کے کام پر گنگا جمنی کرن کی جھالر در و دیوار کی آب و تاب بس سارا امام باڑہ بقعۂ نور ہو جاتا ہے رات کو دن نظر آنے لگتا ہے اس آرائش و زیبائش میں اونچی پگڑیاں باندھے لانبی ڈاڑھیاں

چمکارے ادب و سکوت سے لوگوں کا چلنا ان کی غمگین صورتوں سے
صد درجہ رنج و غم ظاہر ہونا ایسا سماں ہوتا ہے کہ بقول مسز حسن علی
دربار اودھ کو دیکھ کر وہ طلسمی ایوانات میری آنکھوں میں پھر
گئے جو الف لیلیٰ کی داستانوں میں پڑھ کے ہمارے ذہنوں میں
منقش ہوتے ہیں۔۔۔۔ شب و روز میں دو مرتبہ مجلس ہوتی
شام کی مجلس میں مجمع بہت ہوتا بادشاہ سلامت ماتمی لباس پہنے
مور کے پروں کا تاج سر پر رکھے واقعہ خوان کے روبرو بیٹھتے ہیں
دو دو کی قطار باندھے گردنیں جھکائے نظریں نیچی کئے غمگین
صورت بنائے لوگ امام باڑے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ
کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں جھاڑوں اور موم کی شمعوں کی تیز روشنی میں
یہ سماں اور سکوت کا عالم قابلِ دید ہوتا ہے۔ اس کو واقعہ خوان
اپنی دردناک آواز سے توڑتا ہے اور سامعین سراپا معموم ہمہ تن
گوش سنتے ہیں اس وقت روشنی کی تابش بڑی بڑی پگڑیوں کی
شان امام باڑے کے سامان کی چمک دمک زرنگار علموں کی آب و تاب
اور سنہرے پٹکوں کی تڑپ معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف آگ لگی ہے واقعہ
شہادت سنتے سنتے لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگتے ہیں۔۔۔۔
آخر میں سینہ کوبی کرتے ہیں پہلے آہستہ پھر زور سے سارا امام باڑہ
گونج جاتا ہے دس منٹ تک یہی حالت رہتی ہے۔ پھر یکایک
سکوت اور سناٹے کا عالم ہو جاتا ہے۔ اور شربت کا دور چلتا
ہے بادشاہ سلامت اور ارکان خاندان شاہی حقہ نوش فرماتے

ہیں۔۔۔ پھر دوبارہ واقعہ خوانی ہوتی پھر سارا مجمع کھڑے ہو کر
سلام پڑھتا خود بادشاہ سلامت کو بے حد انہماک تھا وہ عشرے
اور اربعین تک سوگ مناتے صرف مرد اعزہ و احباب کے مجمع میں
رہا کرتے شراب اور دعوتیں ترک کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت
کے جن سامانوں کے بڑے دلدادہ تھے ان سب کو چھوڑ دیتے تھے
بیگمات شاہی کے امام باڑے محلات کے اندر علیحدہ علیحدہ تھے
وہاں کی مجلسوں میں عورتیں حدیث خوانی کرتی تھیں۔۔۔ شیعہ صرف
مجلس ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے نفس کو اور بھی جبر کرتے ہیں۔ تکلیفیں
سہتے ہیں کھری چارپائی یا چٹائی پر سوتے ہیں۔ موٹا جھوٹا کھاتے
ہیں عورتیں اپنے زیورات بڑھا دیتی ہیں بناؤ سنگار کی تمام چیزیں
بالائے طاق رکھ دیتی ہیں۔
محرم کی پانچویں تاریخ بڑے جلوس کے ساتھ لکھنؤ کے علم
درگاہ حضرت عباس میں چڑھائے جاتے ہیں ایوان شاہی سے
درگاہ پونے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے اس کی عمارت بہت شاندار
ہے پانچویں محرم کو ہر حیثیت کے لوگ اپنے اپنے علم لے کے جوق در جوق
درگاہ جاتے ہیں شاہی امام باڑے سے جو علم جاتا ہے اس میں
سب سے آگے چھ ہاتھی ہوتے ہیں جن پر مخمل کی جھولیں پاکھر میں پڑی
نقرئی و طلائی ہودے عماریاں کسی کے گلے میں نقرئی و طلائی ہیکلیں
لٹکتی ہوئی ہر ایک ہاتھی پر کچھ لوگ جواہر نگار علم ہاتھوں میں
لئے سوار ہوتے تھے ان کے پیچھے سپاہیوں کا ایک گاردان کے پیچھے

ایک شخص بانس کی ایک چھڑ سیاہ کپڑے سے منڈھی ہوئی اور ایک الٹی کمان میں دو تلواریں لٹکی ہوئی اس کے پیچھے خود بادشاہ سلامت ان کے گرد و پیش خاندان شاہی کے افراد اور مقرب علماء ان کے پیچھے ایک عربی گھوڑا جسے دلدل کہتے ہیں بڑے قد و قامت کا اس کے سر دار پہلو سرخ رنگے ہوئے پشت پر نہایت زرتار مخرق جواہر نگار زین جو گھوڑے کے نقرئی رنگ پر بہت کھلتا تھا ساز و یراق سب ٹھوس سونے کا زین پر عربی عمامہ ایک کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اس کے جلو میں نہایت زرق برق وردیاں پہنے خدام ہاتھوں میں چنور لیے مگس رانی کرتے تھے اس کے پیچھے خلقت کا انبوہ کثیر۔۔ صبح سے شام تک علم چڑھائے جاتے اس سال پچاس ہزار علم چڑھائے گئے۔۔۔

ساتویں تاریخ کو مہندی نکلتی ہے غریبوں کی مہندیاں امراء کے امام باڑوں میں جاتی تھیں نواب اور وزیر اعظم کی مہندی شاہی امام باڑہ میں چڑھائی جاتی ہے اس رات کو امام باڑوں میں غیر معمولی سجاوٹ اور روشنی ہوتی ہے اور خلائق بے روک ٹوک وہاں جاتی ہے بعض تو بڑے بڑے رنگا رنگ جھاڑوں کی بہار دیکھنے جاتی ہیں جس میں ہزار ہا شمعیں روشن ہوتی ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے گنا تھا تو ایک جھاڑ میں سو کنول چڑھے تھے بعض خوش رنگ اور باغ و بہار کنول مردنگ دیکھ کر دنگ ہو جاتے تھے بعض ضریح اور آرائش کھڑے دیکھا کرتے تھے

جن کے سامنے ایک بڑے شیر کی تصویر ایک جانب دو مچھلیاں جن کے سر باہم ملے اور ایک دوسرے کی جانب جھکے ہوتی ہیں۔ ایک طرف طلائی و نقرئی علموں کے زرنگار و جواہر نگار پنجے اور پٹکے لہلہا رہے ہیں انہیں کے پاس خانہ کعبہ۔ امام حسین کے خیمے اور قبہ مبارک واقعہ کربلا کے نقرئی نقشے ایک چاندی کی میز پر رکھے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کے دل پگھلنے لگتے ہیں ایک طرف دیواروں میں طرح طرح کے نفیس و نادر اور عجب ساخت کے ہتھیار لٹکتے ہوتے ہیں جن کے دیکھنے سے دلوں میں جوش دغا پیدا ہوتا ہے۔

جس وقت باہر سے توپوں کے سر ہونے کی آواز سنائی دیتی اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اب مہندی قریب پہنچ گئی شاہی نقیب و چوبدار راستہ کی صفائی کے لئے آجاتے ہیں اور امام باڑے سے لوگوں کو باہر کر دیتے ہیں اب سناٹا ہو جاتا ہے۔ باہر کا مرلع صحن جس میں ہر طرف روشنی ہوتی ہے چشم منتظر بنا ہوا ہے لیجئے مہندی کا جلوس آنے لگا ہاتھی اونٹ گھوڑے پھاٹک کے باہر رہ گئے سپاہی جلوس بردار اور باجے والے صحن تک آئے ان کی تعداد اتنی ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی یہ لوگ داہنے بائیں پرا جما کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بیچ میں راستہ چھوڑ دیتے ہیں جس پر پہلے تو مہندی کا اصلی سامان آنا شروع ہوتا ہے نقرئی کشتیوں میں ہر طرح کی مٹھائی خشک میوے پھولوں کے ہار گجرے چھپر کھٹ گلدستے زرق برق

پوشاکیں پہنے ہوئے ملازمین ہاتھوں اور سروں پر لئے ہوئے ہیں
اس وقت نہایت نفیس آتش بازی چھوٹتی ہے اس کے بعد نقرئی
پالکی اس کے آگے بہت بھڑک دار وردی پہنے ہوئے مشعلچی
مشعل لئے ہوئے پھر مشعلوں کی روشنی میں باجے والوں کی چوکیاں
یہ لوگ باجے بجاتے تمام سامان لئے امام باڑہ میں گشت لگاتے
ہیں پھر سارا سامان تعزیہ پر چڑھا دیا جاتا ہے اور خود عزاداروں
کا ایک گروہ سر جھکائے ماتمی لباس غمگین صورت امام باڑے میں
آتا ہے اس کے بعد حضرت قاسم کا تابوت چند خادم لاتے ہیں
جس کے پیچھے عزاداروں کا مجمع ہوتا ہے ان کے بعد گھوڑا ہوتا ہے
جس پر زرتار پگڑی کمان خنجر تیروں سے بھرا ہوا ترکش اس پر
شاہی نشان یعنی چتر و آفتابہ سایہ گستر یہ گھوڑا اس متانت سے
امام باڑے میں گشت کرتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ دیکھتا ہی رہے
اس کے بعد مجلس ہوتی ہے۔
اب باہر کا حال سنئے وہاں ایک مخلوق جمع ہے روپیہ پیسہ لوٹنے
کے انتظار میں کچھ دیر میں روپیہ اور چاندی کے چھوٹے سکے لٹتے
جانے لگے اس سیر چشمی سے جسے دیکھ کر یورپین حضرات دنگ رہ
جاتے ہیں اس تمام سامان پر لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے اگر یہ
رکھ لیا جائے اور ہر سال کام میں لایا جائے تو اخراجات میں
بہت تخفیف ہو سکتی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کرتا عزاداری کے
خاتمہ پر سارا مال غریبوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔۔۔

تعزیے دفن کرنے کے واسطے بڑی بڑی عالیشان کربلائیں
بنائی گئی ہیں۔ تڑکے تڑکے بے شمار مخلوق وہاں پہنچ جاتی ہے
جلوس میں جھنڈیاں بیرقیں پھریرے پرچم ہوا میں اڑتے ہوئے
بینڈ باجے بجتے ہوئے زرمیہ گیتیں بجاتے ہوئے ان کے پیچھے سپاہی
اُپچی بنے ہوئے بندوق اور پستول دلغتے ڈھالیں رکھے تلواریں
ہلاتے نکلتے ہیں امراء کے تعزیوں کے پیچھے غرباء کے تعزیے ہوتے
ہیں آخر میں ہاتھیوں کی قطاریں ہوتی ہیں جن پر مستعد اور معتمد ملازمین
راستہ بھر روپیہ پیسہ اور روٹیاں غرباء کو تقسیم کرتے چلے جاتے
ہیں کیونکہ شہر کے مختلف راستوں سے برابر تعزیے نکلتے ہیں اس وجہ
سے تمام گلی کوچے توپ بندوق پستول کی آواز اور حسن و حسین کی
صدا سے گونج جاتے ہیں کربلا پہنچ کے تعزیے دفن کر دیئے جاتے ہیں۔
محرم کے زمانہ میں ہم لوگوں کو حضور شاہ کی عزت کبھی حاصل نہیں
ہوئی تمام ملکی اور مالی کام ملتوی ہو جاتے ہیں:

حکیم نجم الغنی تاریخ اودھ میں لکھتے ہیں:

بادشاہ نے فرح بخش میں زنانے محل کے قریب ایک عالیشان مکان
تعمیر کرایا تھا جس میں بارہ دروازے تھے اور بارگاہ در وازہ
امام نام تھا زربفت کے شامیانے موتیوں کی جھالر چاندی کے طلاکار
ستون پر کلابتوں کی ڈوریوں سے استادہ تھے جھاڑ میں چالیس کنول
روشن ہوتے تھے۔ نفیس فرش تھے اور قدِ آدم آئینے لگے تھے سونے
چاندی کی مرصع کرسیاں رکھی تھیں ہر امام کی ولادت پر اس میں جلسہ ہوتا تھا

اور شہادت پر مجلس ہوتی تھی۔

محرم میں ایک بارہ دری صرف پھولوں کی تیار ہوتی تھی۔ باغات سلطانی میں جتنے پھول ہوتے تھے ان کے علاوہ پانچ ہزار روپیہ روز کے پھول بازار سے آتے تھے بارہ دری کا طول سو قدم اور عرض بیس قدم ہوتا تھا بیچ میں طلائی اور نقرئی منقش اور ستاروں اور بادلے کی جھالریں پھولوں کی جگہ کام میں لائی جاتی تھیں عطریات سے مکان بسایا جاتا تھا۔ چہلم تک تعزیہ داری میں سارا کام خود کرتے تھے باہر کا آدمی جانے نہیں پاتا تھا شربت مٹھائی اور میوے پر چار پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ محرم میں سو پچاس تعزیے اپنے سر پر رکھ کے لے جاتے تھے۔ ہر مرتبہ کے آنے جانے میں کئی کوس زمین طے ہوتی تھی پاؤں میں کنکریاں چبھ جاتی تھیں بادشاہ بیگم اور ملکہ زمانی وغیرہ طلائی زنجیریں گردن اور کمر میں پہناتیں۔ جن کا وزن کئی سیر ہوتا چہلم کے بعد یہ غرباء پر تقسیم ہو جاتیں۔

تمام راتیں بیداری میں کاٹتے تھے شام سے صبح تک ہر محل میں خود مرثیہ پڑھتے سال کے چھ مہینے انہیں کاموں میں مشغول رہتے دنیا کا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

بادشاہ صرف لہو و لعب اور مذہب کے دلدادہ نہ تھے بلکہ علوم و فنون اور صاحبان کمال کے قدر دان بھی تھے۔ ان کے عہد میں بہت سے مفید کام بھی ہوئے اور علوم و فنون تہذیب و تمدن کو ترقی ہوئی۔

رفاہ عام گومتی پر لوہے کا پل بنوایا انگریزی اور یونانی شفاخانہ

قائم کیا محتاجوں اور اپاہجوں کے لئے بطور خانہ بنوایا چھتر منزل کے پاس ایک امام باڑہ اور گومتی پار کربلا تعمیر کرائی۔ پردہ فروشی کو ممنوع قرار دیا۔

۱۸۳۲ء میں چار روپیہ سیکڑہ سود پر تین لاکھ روپیہ کمپنی کو دیا اور معاہدہ ہوا کہ رقم سود ہر ماہ مساکین شہر پر تقسیم ہوا کرے گی اس کا نام سخاوت نصیر الدین حیدر ہوگا اور آئندہ کسی حکمران کو روپیہ واپس لینے یا اس کا کوئی اور مصرف تجویز کرنے کا حق نہ ہوگا یہ سخاوت آج تک جاری ہے۔ اور غرباء کو ماہ بماہ وظیفہ ملتا ہے پہلے تین روپیہ ملا ہوا ملتا تھا اب سو ڈیڑھ جانے سے زیادہ ہو گیا ہے۔

غازی الدین حیدر نے ڈھائی کروڑ کمپنی کو قرض دیا تھا اس کے متعلق معاہدہ ہوا کہ اس کا سود دس ہزار کئی سو روپیہ طلباء اور ہندی زائرین مقیم کربلائے معلیٰ پر تقسیم ہوا کرے گا۔ اس کا نام خیریہ اودھ قرار پایا یہ خیر ابھی تک جاری ہے۔

علمی کام رسد خانہ سلطانی کپتان ہربرٹ کی نگرانی میں قائم کیا لاکھوں روپیہ عمارت و سامان پر صرف ہو کر اعلیٰ درجہ کی رسد گاہ قائم ہوئی۔ اور مولانا رستم علی سنبھلی نے زیچ سلیمان جاہی لکھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا مولانا امام الدین دہلوی نے مکمل کیا مولانا عبدالحیؒ مصنف گل رعنا نے نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ یہ زیچ میں نے لکھنؤ میں شاہزادہ ہمایوں قدر تیموری کے پاس دیکھی تھی۔

خطاطی و طباعت مسٹر آرچر کو پانچ سو روپے ماہوار پر ملازم رکھا اور ان کی نگرانی میں لکھنؤ کا چھاپہ خانہ مطبع سلطانی قائم کیا، جس سے بے شمار کتابیں شائع ہوئیں اور لکھنؤ نے کتابت و طباعت میں بڑی شہرت حاصل کی ہندوستان میں کہیں ایسی عمدہ کتابیں نہیں چھپتی تھیں مرزا غالب نے ایک خط میں لکھنؤ کی کتابت و طباعت کا جن الفاظ میں ذکر ہے ان سے وہاں کے معیار کتابت و طباعت کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے جس کا دیوان چھپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ پر ادراس کے چھاپے پر اور اس کے بانی پر لعنت"

لالہ شنکر سہائے ہفت قلم نے خطاطی میں شہرت حاصل کی۔ ایک خطاط نے ۲۴+۱۲ انچ کی تختی پر پورا قرآن ایسا خوشخط لکھا کہ جس کے صلہ میں تیس ہزار روپے انعام پایا۔ یہ قرآن وکٹوریہ میموریل کلکتہ میں موجود ہے۔

ڈرامے کی ایجاد ڈرامے کی بنا د اسی عہد میں پڑی جس کی ترقی یافتہ شکل سینما ہمارے سامنے ہے قصہ کو آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش کوئی نئی بات نہیں ہے بچے کھیل میں اچھا خاصہ ڈرامہ کرتے ہیں نقالی اسی کی ابتدائی شکل ہے اور داستان گوئی کا فن اسی خواہش کا نتیجہ ہے جس میں صورت شکل لباس زیور اور مقامات کی تصویر کشی کی جاتی تھی قصوں میں بادشاہوں اور پریوں کے افسانے ہوتے تھے جن میں پرستان کا ذکر بھی ہوتا تھا۔ ان سب کو آنکھوں سے دکھانا ممکن نہ تھا مگر جب انھوں نے پریاں اور پرستان بنا دیا تو یہ مشکل آسان ہو گئی اس طرف توجہ یوں ہوئی کہ کسی نے راگ مالا ایک کتاب نذر دی جس سے رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوئیں جس کے متعلق پروفیسر مسعود حسن صاحب کی تحقیق یہ ہے۔

نصیر الدین حیدر کے عہد میں ڈرامے کے باقاعدہ کھیل کا حال تو نہیں کھلتا مگر ایسے جلسوں کا پتہ لگتا ہے جن میں ڈرامائی شان ایک حد تک موجود بھی سرور کہتے ہیں۔

"کسی نے راگ مالے کی کتاب نذر دی فرمایا اس کا جلسہ ہو جو راگنی جس صورت و پوشاک کی دیکھی وہی صحبت ٹھہری ایک جلسے میں

کے جلسے میں پانچ سو عورت دلہن کا لباس پہنے ہاتھوں پاؤں میں مہندی لگی۔ چوڑی سہانی، سر سے پاؤں تک جواہر کا زیور ایک راگنی کی صحبت تیس دن ہوتی تھی۔ اندر کی سبھا کی آبرو کھوتی تھی۔"

راگ مالا سرور کی اس عبارت کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے کچھ باتیں ذہن میں موجود ہونا چاہئیں راگ مالا ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں راگوں راگنیوں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں ایسی کتابیں موسیقی کے شوقینوں نے مرتب کر کے مختلف مصوروں سے تیار کروائی تھیں۔ راگ مالا کا وہ نسخہ جو نصیر الدین حیدر کے سے نفیس مزاج بادشاہ کو نذر کیا گیا تھا۔ بلاشبہ بہترین تصویروں پر مشتمل ہو گا۔ میں نے فن موسیقی کی ضخیم کتاب نادِ نود گرنتھ کے ایک مطبوعہ نسخے میں راگوں اور راگنیوں کی ادنیٰ درجہ کی تصویریں اور ان تصویروں کا بیان دیکھا ہے۔ اس کتاب سے چند تصویروں کا بیان اپنے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

راگ اور راگنیاں انسانی روپ میں ــ راگ مرد

مارو راگ : سو برس کی عمر میں ایک ہاتھ میں نیزہ دوسرے میں تلوار جس میں دشمن پر وار کر رہا ہے۔

نائکی کانہرا : کم عمر، زرد لباس، تال مجیرے کا تا ہوا۔ عورتوں نے گھیر کر پکڑ لیا ہے اور وہ دھوکا دے کر نکل جانا چاہتا ہے۔

جیت راگ بڑا بہادر تیر کمان ہاتھ میں گھوڑے پر سوار، دشمن پر فتح پا کر گاکر اور روپیہ لٹاتا ہوا۔

بھٹیار راگ سانولا رنگ، بازوؤں پر بازو بند بندھے ہوئے ایک بہت بڑے پہلوان کو خم ٹھونکتا ہوا اکھاڑے میں پھر رہا ہے۔

راگنیاں (عورتیں)

اسیری ٹوڈی راگنی نہایت حسین، نشیلی آنکھیں، گلابی پوشاک، سر پر دو دو گھڑے رکھے ہوئے ٹھوکر سے دامن اٹھاتی ہوئی، دودھ دہی بیچنے کے بہانے سے اپنے سوامی کو ڈھونڈنے نکلی ہے۔

للت گوری راگنی : شام کے وقت سنگار کرکے اپنے باغ میں ٹہل رہی ہے طوطے کا پنجرہ ہاتھ میں ہے ایک سہیلی ساتھ میں ہے اس کے بچے کو گود میں لئے اس سے ہنستی ہے اور پیار کرتی ہے۔

جھنجھوٹی راگنی نشے میں جھوم رہی ہے۔ اپنے شوہر کو دوسری عورتوں سے باتیں کرتے دیکھ کر خفا ہو گئی ہے مگر وہ ضدی عورت ہے سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیتی ہے۔

کافی راگنی لال رنگ میں بھیگی ہوئی اپنے شوہر کے ساتھ ہولی کھیل رہی ہے رنگ کے قمقمے شوہر کو مارتی ہے۔ عبیر اور گلال اڑاتی، پھولوں کے گیند مار کر چھپ جاتی ہے اپنی سہیلیوں کو بلا کر اپنی اور اپنے شوہر کی چھب دکھاتی ہے۔

راگوں اور راگنیوں کی تصویروں کا یہ بیان اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ نصیر الدین حیدر کے حکم سے راگ مالا کا جلسہ جو تیار ہوا تھا اور راگنیوں کے جلسے ہوتے تھے ان میں ایک ڈرامائی کیفیت پائی جاتی تھی۔ (اودھ کا شاہی سٹیج ص ۵۸-۶۰)

حسن علی موسیقار اور پیر بخش دھاڑی نے گانے میں کمال پیدا کیا چھجو خان اور غلام رسول کلاونت نے ٹپہ ایجاد کیا۔ رجب علی نے ستار بجا کر لوگوں کو محو حیرت کر دیا۔

منور جان جادی جان اور عقوا جان حسن و جمال میں بے مثال ہونے کے

ساتھ ساتھ گانے کے فن میں بھی بے نظیر تھیں۔

نقالی اللہ والے بھانڈ نے نقالی میں شہرت حاصل کی۔

داستان گوئی غلام مہدی اور احمد حسین قمر مصنف طلسم ہوشربا نے داستانگوئی کو ایک فن بنا دیا۔ اور اس پر کتابیں لکھیں۔

مصوری مسٹر پارٹر جرمنی نے فن مصوری کو بڑی ترقی دی۔

سپہ گری محمد علی خان ساکن کڑہ بزن بیگ نے لکڑی کے فن میں جدتیں پیدا کیں ذوالفقار بیگ بنوٹ میں کامل تھے رستم نگر محمود نگر، منصور نگر وغیرہ فن سپہ گری کے مراکز تھے جہاں بہت سے اڈے قائم تھے۔

پیراکی پیراکی کا فن اس عہد کا خاص امتیاز ہے۔ میر مچھلی نے اس فن میں کمال حاصل کیا اور لکھنؤ میں یہ بھی ایک فن بن گیا نصیر الدین حیدر خود اعلیٰ درجہ کے پیراک اور میر کے جان نثار شاگرد تھے۔

جل بانک فن سپہ گری کے عام رواج نے جل بانک کا فن ایجاد کیا یعنی پانی کے اندر لکڑی سے جنگ جو اہل لکھنو کے ذوق جنگجوئی کی انتہا کا ثبوت ہے اس فن کے موجد میر مچھلی تھے۔ یہ لکھنؤ کا خاص فن ہے۔

شاعری شعر و شاعری کا ذوق عام تھا نصیر الدین حیدر خود بھی شاعر اور شعرا کے قدردان تھے یہ مصرع جو ضرب المثل کے طور پر زبان زد ہے انہیں کا ہے۔

؎ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے — ناسخ و آتش

کی معرکہ آرائیاں تھیں مشاعروں کی دھوم تھی در و دیوار سے شعر برس رہے تھے۔

مرثیہ میر ضمیر نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کو ایک فن بنا دیا چہرہ سراپا مناظر قدرت رزم و بزم کے مضامین سے اس میں وسعت پیدا کی اور اردو شاعری نے زلفوں کی کمند نظر کے تیر مژگان کے نیزے ابرو کی کمان تبسم کی بجلیاں اور

معشوق کی گلیوں سے نکل کر میدان جنگ میں فوجوں کی یلغار دیکھی سپاہیوں کی للکار۔ تلواروں کی جھنکار سنی تیروں کو لپکتے دیکھا اور کمانوں کو کڑکتے تیروں کو سنناتے دیکھا۔

جسم زخموں سے چور سر کٹی لاشیں میدان سے آتے دیکھیں وارثوں کے بین سُنے پسماندوں کو اسیر اور تشہیر ہوتے دیکھا یہ وہ مناظر تھے جنہیں لکھنؤ کی ناز پرور زندگی نے پہلے پہل پیش کیا۔ سوز خوانی اس کے تنوع کا تحمل نہیں کر سکتی تھی اس لئے تحت لفظ کا طریقہ ایجاد کیا اور ہر بات کو اسی ٹھاٹ سے منبر پر ادا کیا۔

سوز خوانی یار خاں۔ میر حسن علی اور میر بندہ حسن نے سوز خوانی کو عروج کر دیا۔

حدیث خوانی میر اکبر علی نے حدیث خوانی میں کمال حاصل کیا اور ایک کتاب ضیاء الاخبار لکھی

کھانے میں جدتیں پیر علی رکابدار نے سموسے میں جدتیں دکھائیں کوئی زندہ جانور اس میں بند کر دیتا، لال اور چیر کوے وغیرہ
اس رکابدار نے شکر کا ایک انار بنایا جس میں دانہ اور پردہ تک تھا۔

مٹھائیاں حسینی نے حلوہ سوہن۔ دودھیا۔ حبشی حلوہ پپڑی حلوہ سوہن بنانے میں کمال دکھایا۔ نورا نے بالائی بلور کی طرح شفاف بنائی۔

تمباکو پٹھانا نے پینے کا تمباکو ایسا ایجاد کیا کہ آج تک لکھنؤ کا تمباکو اپنی لطافت میں بے مثال ہے

رنگریز رنگریزوں نے کپڑوں پر رنگ کے پھول بنانے میں کمال دکھایا

نئے قسم جوتا اور کپڑا پیر علی نے خورد نوک کا جوتا بنایا۔ مکا درزی نے

انگیا کرتی سینے میں کمال دکھایا اور لاکھوں روپے کا انعام حاصل کر کے لکھ پتی بن گیا۔

بڑے پائچوں کا پائجامہ اور چوگوشیہ ٹوپی ایجاد ہوئی اور غازی الدین حیدر نے پنج گوشیہ ٹوپی ایجاد کی جوان کی زندگی تک کوئی اور نہیں پہن سکتا تھا لکھنؤ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ شباب پر آیا تہذیب و تمدن میں اپنا مخصوص انداز پیدا کیا مولوی عبدالحئی گل رعنا میں لکھتے ہیں۔

لباس: وضع قطع لباس خورد و نوش اور ماند و بود غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں تراش و خراش نے نئے انداز پیدا کئے گنبد نما دستار کی جگہ ہلکی نوکیلی ٹوپی جامہ و نیمہ شلوار کی جگہ کلی دار عزارہ یا چوڑی دار پائجامہ سلیم شاہی کی انی دار کفش یا بے نوک کا لکھنؤ جوتا اسی طرح ہر چیز پر قیاس کرو زمین نئی آسمان نیا ہوگا صفحہ ۳۳۹

شہر کی رونق: شہر کو بھی انھوں نے ایسا آراستہ کیا کہ باہر کے آنے والے اسے طلسمات کا شہر کہتے تھے نجات حسین خاں عظیم آبادی لکھتے ہیں:

سبحان اللہ چہ شہریست دلپذیر و چہ مقامے است بے مثل و بے نظیر جائے است دلفریب و مکانے است مطبوع منظرہ از نقص و عیب مبراست بس دلچسپ و خوش سواد و دوکانہا بس مملو و آباد و معمور است از اقسام و انواع چیزہا (روزنامچہ نجات حسین خان سوانح لکھنؤ بزمانہ نصیر الدین حیدر)

سید فضل علی دہلوی نے جو اسی زمانے میں لکھنؤ آئے تھے اپنی کتاب فوائد عجیبہ میں لکھنؤ کی تعریف نظم و نثر میں بہت کچھ کی ہے۔ اس کے آخری فقرے یہ ہیں۔
اگر فردوس بر روئے زمیں است ٭ ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است
ہر ایک کوچہ فرحت افزا اور ہر ایک راہ دلکشا شہر ہے یا طلسمات ہے۔

نصیر الدین حیدر نے لکھنؤ کو اس عروج پر پہنچا کے ۱۲۵۳ھ میں زہر سے انتقال کیا۔